رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی) و مولوی صدرالدین (بی۔اے۔بی۔ٹی)

جلد (۲) | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء | نمبر (۶)

فہرست مضامین
ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ مئی سنہ ۱۹۱۶ء

(۱) شذرات ۱۴۱ ÷ (۲) مسئلہ زندگانی ۲۴۴ ÷ (۳) اسلام کی ایک سرگذشت ۲۵۳ ÷ (۴) اسلام کی عالمگیر اخوت ۲۵۷ ÷
(۵) کیا جنگ خدا تعالے کی صفت رحم و محبت کے منافی ہے؟ ۲۷۱ ÷ (۶) سب نبیوں کا موعود رسول ۲۸۷

ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء
احمدیہ سٹیم پریس

قیمت سالانہ تین روپے

حق جوئی کا داعی ۔ صدق و صفا کا مبلغ ۔ رہنمائی حقیقت و آئین اصول کا زبان حال ارگن

ایک جدید روزانہ اخبار

العصر

[illegible] کہ تمام مہمات امور میں ملک و قوم کی صحیح نیابت کرینگے اور راعی و رعایا کے تعلقات کو زیادہ خوشگوار بنائیں گے ۔ یہ اخبار عنقریب شائع ہوگا اور اس کے مقاصد یہ ہیں :-

(۱) ہر ایک قسم کی مفید و سود مند یعنی خبریں ۔ ساری دنیا کی اہم خبریں جن کی واقفیت اہل ہند کیلئے ضروری ہے حتی الوسع سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ناظرین کے روبرو پیش کرنا ۔ جنکی فراہمی کے لئے اس کے مخصوص و ممتاز وسائل و ذرایع ہوں گے ۔

(۲) دعوت حق و خدمت صدق ۔ اہل ہند کو آئین و اصول کا خوگر بنانا کہ گوناگون وسائل عظمت سے یہ ملک بھی زیر سایۂ برطانیہ آئینی طریق پر مستفید ہوتا رہے ۔

(۳) ترقی علم و عمل ۔ (۴) ملک و قوم کی حقیقی نمایندگی و ترجمانی ۔

(۵) ظاہری و باطنی خوشحالی و ترقیات کی جائز کوشش ۔ عام اخباری اغراض کی جامعیت ۔ اور شخصیات سے بے طرفی و برأت ۔

دوسری اہم خصوصیات اس کی یہ ہوں گی :-

(الف) ہر ایک معاملہ پر نہایت سنجیدگی و متانت سے بحث کریگا ۔

(ب) ہر ایک طریق سے پبلک کی حقیقی رہنمائی کو پیش نظر رکھے گا ۔

(ج) ہر ایک امر میں ملک و قوم کی سچی خدمت گذاری پر ثابت قدم رہے گا ۔

(د) حفظ صحت کے متعلق بھی اس میں وقتاً فوقتاً مفید مضمون شایع ہوا کرینگے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

ایک ممتاز خصوصیت اس اخبار کی یہ بھی ہوگی کہ جنس لطیف کا بھی یہ آرگن ہوگا ۔ یعنے اس کے ہر نمبر میں شریف مستورات کے متعلق ایسے تابناک جواہر ریزے ہوا کریں گے جن کی معنوی درخشندگی خاص طور پر ولولہ انگیز علم و عمل ہوگی ۔

شرح چندہ

سالانہ	۱۲ روپے
ششماہی	۶ روپے ۸ آنے
سہ ماہی	۳ روپے ۸ آنے
ماہوار	۱ روپیہ ۴ آنے
فی پرچہ	۱ آنہ

مینیجر العصر برانڈرتھ روڈ لاہور سے فوراً درخواست کیجئے

Yours in Allah, Dudley Wright.
Mohammad Sadiq.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) - بابت ماہ جون ۱۹۱۶ء - نمبر (۶)

شذرات

اس رسالہ کے ساتھ جو تصویر شایع ہوتی ہے وہ مسٹر ڈڈلے رایٹ مشہور اخبار نویس کی ہے جس کا اسلامی نام محمد صادق ہے۔ اُنھوں نے گذشتہ عید سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ اور انہی ایام میں اس کے بعض مضامین عید کے متعلق مختلف اسلامی اخباروں میں نکلے تھے۔

ووکنگ مشن اس ماہ میں بھی خدا کے فضل سے ایک عمدہ تعداد نو مسلمین کے اضافہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ یعنی یکم اپریل سے ۲۷ اپریل تک چھ نئے ممبروں کا نام رجسٹر میں داخل ہوا۔ جن میں سے ایک پُرانے مسلمان ہیں اور باقی پانچ معزز انگریز ہیں جنھوں نے اس ماہ میں اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک خاتون اور چار مرد ہیں۔ یہ خاتون آنریبل مسز ایچ گفورڈ ہیں۔ جن کا اسلامی نام حمیدہ بیگم رکھا گیا۔ ان کے اسلام کے متعلق پچھلے ماہ کے رسالہ میں مفصل اور دلچسپ رپورٹ قدوائی صاحب کی قلم سے شایع ہو چکی +

ایک اور صاحب جنھوں نے اس ماہ میں اسلام کا اعلان کیا ہے مسٹر سیکسبی ہیں۔ جو

ایک نومسلم خاتون مسز امینہ سیکسبی کے خاوند ہیں۔ یہ خاتون اشاعت اسلام کے لیئے خاص درد رکھتی ہیں۔ اور سات آٹھ ماہ سے مسلمان ہو چکی ہیں۔ انہی کے اخلاص اور جوش کو دیکھ کر اور ان کے وجود میں اسلامی خوبیوں کا عملی نمونہ دیکھ کر خود مسٹر سیکسبی نے بھی ۲۱ اپریل کو نماز جمعہ میں اسلام کا اعلان کیا۔

مکرمہ امینہ کے جوش تبلیغ کا ہی نتیجہ دو اور اشخاص کا اعلان اسلام تھا جو اسی جمعہ کو ہوا اور اس طرح یہ گڈ فرائیڈے اسلام کے لیئے ایک مبارک جمعہ ثابت ہوا۔ ان دونوں اشخاص کو مسز سیکسبی امینہ نے بذریعہ خط وکتابت تبلیغ کی۔ یہ دونوں فوجی آدمی ہیں اور جمعہ کے روز ان کے تحریری اعلان تمام مجمع میں پڑھے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب کا نام بشیر اور دوسرے کا نام عزیز رکھا گیا۔ اور مسٹر سیکسبی کا نام امین تجویز کیا گیا +

ایک صاحب جو فوج میں کپتان ہیں وہ بھی اسلام کا اعلان کر چکے ہیں لیکن اُن کے نام کا سردست اعلان نہیں کیا گیا۔

انگلستان میں پرانے مسلمانوں میں ریٹائرڈ میجر جنرل جی بی ڈکسن ہیں۔ اب ان کے نام کا بھی برٹش اسلامک سوسائٹی کے ممبران میں اضافہ ہوتا ہے +

بعض ان خواتین کا جوش تبلیغ جنھوں نے حال میں ہی اسلام قبول کیا ہے قابل رشک ہے۔ وہ لوگ جو ابا عن جد مسلمان چلے آتے ہیں۔ اگر ان میں اس جوش کا عشر عشیر بھی ہوتا تو آج اسلام دُنیا میں ایک کثیر گروہ کو جو ابتک غلطیوں میں مبتلا ہے راہ حق پر لا چکا ہوتا۔ ان میں سے ایک خاتون مسز امینہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے تین اعلان ایک جمعہ میں انہی کی تبلیغ سے ہوئے۔ اور سب سے بڑھ کر قابل تعریف یہ بات ہے کہ انھوں نے اپنے خاوند کو اپنا ہمخیال کر لیا ہے جس سے اُنکی صداقت اور خلوص کا کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ان تین کے اس سے پہلے انہی خاتون کے ذریعہ سے عفیفہ میری اسلام قبول کر چکی ہیں اور اس طرح پر سات آٹھ ماہ کے عرصہ میں چار مسلمان ان کے ذریعہ سے ہو چکے ہیں۔ خود ان کا صاحبزادہ بھی عنقریب اعلان اسلام کرنیوالا ہے اور دو اور اشخاص بھی اُن کے زیر اثر ہیں جو عنقریب اعلان اسلام کریں گے۔

نوٹ: دوسری ڈاک میں اطلاع پہنچ گئی ہے کہ ان دو اشخاص نے اعلان اسلام دوسرے جمعہ میں کر دیا۔ انہیں سے ایک مرد اور ایک خاتون ہیں +

دوسری خاتون جن کو اللہ تعالےٰ نے تبلیغ اسلام کا خاص جوش بخشا ہے۔ شریفہ بیگم صاحبہ ہیں ان کے ذریعہ سے بھی اب تک کوئی سات آٹھ اشخاص داخل اسلام ہو چکے ہیں +

اگر ان مسلمانوں میں جو وقتاً فوقتاً انگلستان بس گئے ہیں ان خواتین کے جوش تبلیغ اسلام کا دسواں حصہ بھی ہوتا۔ اور ایک ایک مسلمان بھی اُن کے ذریعہ سے ہوتا تو آجتک انگلستان میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوتے۔ یہ کس قدر شرم کا مقام ہے کہ نومسلم خواتین کے ذریعہ سے تو کئی کئی مسلمان ہوجائیں۔ مگر ہمارے وُہ بھائی جو انگلستان میں جاتے ہیں ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتے جو ایک ہی دل کو اسلام کی طرف مائل کرلے۔ ہاں مسلمانوں کو اگر فکر ہوتی ہے تو یہ کہ وہ جو ولایت میں مسلمان ہوئے ہیں ان میں فلاں کمزوری ہے۔ کاش وہ دوسروں کی کمزوریوں کو تلاش کرنے سے پہلے اپنی کمزوریوں کا علاج کرتے اور دنیا کو دکھاتے کہ ایک مسلمان بغیر تنخواہ دار ملازم ہونے کے اسلام کی تبلیغ کا کس قدر جوش اپنے دل میں رکھتا ہے۔ یہی وُہ بات تھی جس نے دنیا کی گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکا دیا تھا کہ اس کا ادنےٰ سے ادنےٰ خادم کہیں چلا جاتا تو اپنے ہزاروں کاموں میں بھی اس اصلی اور حقیقی کام کو جس پر قوم کی زندگی اور ترقی کا دارومدار تھا نہ بھولتا تھا۔ کہ سب سے پہلے اس نے اس نعمت عظمےٰ کی اطلاع دوسروں کو دینی ہے جس سے وہ خود بہرہ ور ہوا ہے۔ پھر آج یہ کیسی مردنی مسلمانوں پر چھا گئی کہ ہزاروں میں سے ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جو دوسری جگہ جاکر اسلام کی عظمت کا کچھ نقشہ دلوں پر بٹھا سکتا۔ خدا نے اس قوم کو کس بلند مقام پر کھڑا کیا تھا۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تم بہترین قوم ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیئے پیدا کیئے گئے ہو پھر ان کا امتیاز یہ تھا کہ یدعون الی الخیر لوگوں کو اس عظیم الشان خیر اسلام کیطرف بلاتے رہیں جس کے قبول کرنے میں دنیا کی حقیقی بہتری ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کے پاس وہ جوہر تھا جس سے دُنیا کو یہ بڑے بڑے فواید پہنچا سکتے تھے۔ مگر اُنھوں نے ایسا چھپایا۔ کہ آخر خود بھی ان کو شک ہوگیا کہ ہمارے پاس فی الواقع کوئی خوبی کی بات ہے بھی یا نہیں۔ کاش اب بھی سنبھلیں اور تبلیغ اسلام کو اپنا سب سے پہلا فرض سمجھیں +

خدا کا شکر ہے کہ دوکنگ مشن نے ان نومسلموں کو پیدا کیا ہے جو اپنے اندر جوش تبلیغ بھی کمال درجہ کا رکھتے ہیں۔ یہ نہ صرف ان نومسلموں کے خلوص پر اور ان کی اسلام کے ساتھ قلبی

محبت پر شہادت ہے۔ بلکہ خود ووکنگ مشن کے کام کرنے والوں کے خلوص اور اُنکی نیکی پر بھی ایک شہادت ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ تعلق ووکنگ مشن سے کسی نومسلم کا ہوُا ہے۔ اسی قدر زیادہ اس میں تبلیغ اسلام کا جوش بھی پایا جاتا ہے اور یہ ہو نہ سکتا تھا جب تک کہ ووکنگ مشن کے کارکن نیکی کا وہ نمونہ دکھاتے جو ایک تعلیمیافتہ قوم کے دل پر ایسا گہرا اثر کرتا۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ بیرونی مخالف اور اندرونی حاسد جو چاہیں کہیں۔ ووکنگ مشن کے نومسلمین کا یہ جوش تبلیغ ان کی تمام مخالفانہ اور حاسدانہ شرانگیزیوں کا کافی جواب ہے۔ ہاں یہ اپنی کسی قابلیت پر فخر نہیں بلکہ محض خدا کے فضل نے یہ تمام سامان مہیا کیے ہیں۔ ورنہ عاجز انسان کیا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے جسکے نام کا بلند کرنا ہی اس مشن کی اصل غرض ہے۔ یہ دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے اس کے تمام کاروبار کو چلائے ۔

مسئلۂ زندگانی ۲

تبدیلی کا لاتبدیل قانون

(از پروفیسر نورالدین سٹیفن)

ہر لمحہ زندگی کا ہے صورتیں بدلتا ۔ جو کل تھا اب نہیں ہے جو اب ہے کل نہوگا

"مسئلۂ زندگانی" ۲ کے سلسلہ میں مینے اس فقرہ کو جو اس مضمون کا عنوان ہے اکثر استعمال کیا ہے۔ لیکن مجھے بتلایا گیا ہے کہ یہ فقرہ بذات خود متضاد ہے یا خود ہی ایک استثنار ہے جو تبدیلی کے ساتھ لفظ لاتبدیل کی اجازت نہیں دیتا۔ اور جو قانون لاتبدیل ہے اس میں استثنا کے کیا معنے ہیں۔ جواباً کہتا ہوں کہ (۱) قانون کیا ہے ؟ محض ایک جملہ یا چند الفاظ کا مجموعہ جو کسی مسلمہ قاعدہ زندگی یا واقعہ زندگی کو بیان کرے۔ (۲) میں قانون تبدیلی کے متعلق لفظ لاتبدیل کا استعمال کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس دُنیا یا زندگی یا خلقت یا نسل انسانی میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ملتی۔ جس پر کہ اس

قانون کے عمل کا اثر نہ پڑتا ہو ✦

ہر موجودہ معدوم ہونے والا ہے۔ ہر ایک شئے جو زمانہ حال میں موجود ہے ایک دن ہو چکی ہوگی۔ زمانہ کی تلون مزاجی بغیر کسی تغیر تبدل کے جاری ہے۔ کوئی ذات اور کوئی شئے اس سے بری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس عالمگیر قانون فطرت کو اپنے اوپر اثر پذیر ہونے سے روک سکتی ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ سائینس نے ایک حد تک اُس کے اثر کو تھوڑے عرصہ کے لیئے روک لیا ہے یعنی دیرپا بنا دیا ہے۔ یا بعض حالات کے ماتحت اس کو تبدیل بھی کر دیا ہے۔ لیکن یہ امر قابل یادداشت ہے کہ اُس کو بھی محض ایک محدود عرصہ کے لیئے دیرپا کیا جا سکتا ہے نہ کہ وہ تغیرات زمانہ سے بالکل محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں جب اس کی عارضی دیرپائی کو دور کر دیا جاتا ہے تو زمانہ نہایت تیزی سے اُسے اپنی دست بُرد میں لاتا ہے۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اس دیرپائی کا معاوضہ بھی کئی گنا تیزی کیساتھ لیتا ہے چنانچہ اس قانون میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ کیونکہ اعلےٰ اور ادنےٰ ہر دو امور میں اس کا عمل یکسان اور عالمگیر ہے۔ ہاں صرف وقت کے لحاظ سے اختلاف ہو جایا کرتا ہے۔ بعض حالات میں بقاء اور فنا کا زمانہ گھنٹوں اور بعض میں دنوں اور بعض میں سالوں اور بعض تین صدیوں ظاہر ہوتا ہے بظاہر یہ سلسلہ اس قدر آہستہ چلتا ہے کہ ایک پشت بلکہ میں کہتا ہوں کہ کئی پشتوں میں بھی اس تبدیلی کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تمام چیزیں اس عظیم الشان قانون کے ماتحت ایک انجام کی طرف چل رہی ہیں۔ خلقت آج اور جیسا کہ پہلے بھی بنتی ہے گرتی ہے اور پھر بنتی ہے۔ قدیم طور طریق مٹ جاتا ہے اور اس کی بجائے نیا قاعدہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ کسی تبدیلی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسی غیر متغیر قانون قدرت کے عین مطابق اور ماتحتی کے نیچے ہوتا ہے۔ اور لامتناہی دایرہ کے اندر تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ہوتی ہے ✦

اس مختصر رسالہ میں لمبی بحث کرنا غیر موزون ہوگا۔ اس لیئے میں چند امور بیان کرتا ہوں جن کو میں اصل حقیقت یقین کرتا ہوں اور جن سے میں چند نتائج اخذ کروں گا۔ اور پیارے ناظرین آپکو اختیار ہے چاہے آپ اُن کی تائید کریں یا اختلاف کریں۔ کیونکہ آپ کو بھی مثل میرے آزادانہ خیالات کا حق حاصل ہے ✦

ہم اپنے عام محاورہ گفتگو میں جب کسی چیز کے متعلق یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس میں تبدیلی

نہیں آتی تو کہدیتے ہیں ایسی مضبوط جیسے پہاڑ۔ لیکن بعض عام اور شاعرانہ فقروں کی طرح یہ بھی غلط العام ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جیسا کہتے ہیں کہ اٹل پہاڑیاں یا غیر تبدیل ہونے والے پہاڑ۔ سائنس (یا علم طبقات الارض) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمالیہ پہاڑ بھی اپنی موجودہ شکل میں شروع سے ایسے نہیں تھے۔ بلکہ اسی قانون کے عمل کا نتیجہ ہیں۔ پروفیسر ہکسلے کا بیان ہے کہ ایک ایسا بھی زمانہ تھا۔ جبکہ الپس اور پیرنیز پہاڑوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور یہ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو ان پہاڑوں کے پہلو میں اُن چٹانوں کے ٹکڑے ملتے ہیں جو ان پہاڑوں کے پہلے سمندر کی تہ میں تھے اور جس طاقت نے ان پہاڑوں کو زمین کے اوپر رکھا۔ اسی کی وجہ سے یہ چٹانی ٹکڑے بلند ہوکر پہاڑ کے پہلو میں جا پڑے۔ اس امر پر دوسرا مصنف یعنی لنگ اسطرح روشنی ڈالتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس قدر ہم علم طبقات الارض کا مطالعہ کرتے ہیں اُتنا ہی صاف واضح ہوتا ہے کہ زمین ہمیشہ ایک متواتر تبدیلی کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اب اگر ہم یہ دریافت کریں کہ کتنی مدت یا کے پشتوں سے یہ تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں تو یہ بالکل بے سود ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے اور نہ ہی ایسے علم کے حصول سے کوئی فائدہ مدنظر ہے۔ لیکن سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس سے اس عظیم قانون قدرت کی غیر تبدیلی کا عینی ثبوت ملتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا اس زمین سے تعلق ہے۔ اس قانون میں کوئی استثناء نظر نہیں آتا +

لینگ ایک دوسرا واقعہ بھی لکھتا ہے جو بادی النظر میں حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر اسکی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمین مستحکم اور مستقل ہے اور سمندر غیر مستحکم ہے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ زمین ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور سطح سمندر یکساں حالت پر قائم ہے۔ اسجگہ لفظ سطح غور کرنے کے قابل ہے۔ کیونکہ یہاں صرف سطح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بہرحال دیگر صورتوں میں سمندر بھی مثل زمین کے قانون تبدیلی کے ماتحت ہے +

میں خوب جانتا ہوں کہ عینی ثبوت کا وزن نتیجہ خیز دلیل پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور کسی کام کو عملی صورت میں دیکھنے کو محض پڑھنے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اور یہ آج بھی اور ہر روز ممکن ہے کیونکہ زمین اور سمندر کی آہستہ مگر یقینی اور متواتر تبدیلی ہمارے سامنے موجود ہے سمندر کبھی ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اپنا قبضہ جما لیتا ہے۔ کبھی ایک جزیرہ کو ایک جگہ غرقاب کر دیتا ہے۔ اور دُوسری

جگہ دوسرا جزیرہ بنا دیتا ہے۔ ایک جگہ دریا کا دہانہ مٹی سے پر ہو کر بند ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ دوسرا قائم ہو جاتا ہے۔ جو ذرائع اس کے لیئے استعمال ہوتے ہیں وہ زیادہ نہیں ہیں۔ دراصل ہر غرض کے واسطے صرف دو ہی ہوتے ہیں۔

(۱) بارش۔ دریا۔ سمندر کی شکل میں پانی کا مٹی وغیرہ کاٹ دینا یا جمع کر دینا۔

(۲) کوہ آتش فشان کے پھٹنے سے بلندی وغیرہ کا ہو جانا۔

اوّل الذکر کا آہستہ۔ یقینی اور متواتر ہونا۔ مؤخر الذکر کا دقفہ کے ساتھ اور نہایت تیزی و سرعت سے واقع ہونا۔

معدودے چند ہی اشخاص ایسے ہیں جو مؤخر الذکر کو اوس کے کام کے وقت دیکھ سکیں لیکن تقریبًا ہر شخص ذرہ سی تکلیف اُٹھا کر اوّل الذکر کا مشاہدہ کر سکتا ہے

مثلاً دریائے رون کو دیکھو کہ جس وقت وہ جنیوا کی جھیل میں گرتا ہے۔ اُس کا پانی نہایت میلا ہوتا ہے۔ لیکن پھر وہاں سے بلور کی مانند صاف و شفاف ہو کر نکلتا ہے۔ کیونکہ مٹی وغیرہ سب جھیل کی تہ میں بیٹھ جاتی ہے۔ چنانچہ یہی دریائے گنگا اور دنیا کے دوسرے بڑے دریاؤں کا حال ہے الغرض زمانہ دراز کے بعد یہ جھیل خشک زمین بن جاتی ہے۔ اور پھر دریا دوسرا مقام تلاش کر لیتا ہے۔ اسجگہ میں ایک مقامی مثال دیتا ہوں۔ جس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ کیونکہ مینے گذشتہ تاریخ کے مطالعہ کیلیئے یہاں ایام گرما کے دن گذارے ہیں۔ یہاں یعنی لیورپول میں ہم اپنے گھر ہی کے سامنے دریائے مرسے اور ڈی کو دیکھتے ہیں اور ہمیں بین نشانات معلوم ہوتے ہیں کہ کسطرح اُن میں تغیرات پیدا ہوئے ہیں۔ آؤ ہم ساحل کے کنارے نیو برائیٹن سے ہائی لیک تک چلیں اور اثنائے راہ میں مطالعہ کرتے جائیں۔ خفیف نشانات کو نظر انداز کر کے ہم میولس (چیشائر) کے قریب پہنچتے ہیں۔ اس مقام اور ہائی لیک کے درمیان ایک بڑے جنگل تک جو کہ بہت دور پانی کے کنارے تک پھیلا ہے اور غالبًا مقابل کے کنارے فاربی تک جب ہم آتے ہیں تو یہاں ہمیں بڑے بڑے درختوں کے تنے اور جڑیں دکھلائی دیتی ہیں۔ بعض گھیرے میں کئی فیٹ ہیں پس ہم ایک پر کھڑے ہو کر اُس منظر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ اس وقت جنگی جہاز چل رہے ہیں وہ پہلے ایک خشک زمین تھی جس میں بڑے بڑے درخت اور سبزہ زار تھے۔

لیکن تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ دریا نے اپنا تسلط کر لیا ہے۔ اس کے بعد ہم جزیرہ نما (ویرل) کی اسطرف یعنی دریائے ڈی کی جانب روانہ ہوں تو یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ وہی پارک گیٹ جو اس وقت ایک معمولی سا قصبہ ہے۔ پہلے یہاں سے ڈاک کے جہاز آئرلینڈ اور دوسرے مقامات کو روانہ ہوتے تھے۔ اور اب وہاں طغیانی کے وقت صرف ایک چھوٹی کشتی پہنچ سکتی ہے۔ بعد ازاں اگر آپکے پاس وقت ہے تو پھر قدیم چیسٹر کی طرف چلیئے اور وہاں بھی صاف اور بین واقعات کا مشاہدہ کیجیئے یعنی دیواروں پہ کھڑے ہو کر ان کڑیوں کو جن میں جہاز کے لنگر پھنسائے جاتے تھے۔ ملاحظہ کیجیئے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ سلاطین شاہی کشتیوں پر سے دیواروں پہ چلے جایا کرتے تھے۔ اسوقت آپکو اس عظیم الشان قانون اور اس کے ماتحت جو تغیرات واقع ہوئے ہیں۔ ان سب کی کیفیت واضح ہو جائے گی +

آپ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مثالیں ریت کے ذرہ کیطرح ہیں اور اُن کا اسجگہ پیش کرنا لاحاصل ہے۔ لیکن میں یہ مضمون یہ سمجھ کر نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ ایک تعلیم یافتہ سائنس دان ہیں۔ بلکہ اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ آپ ایک معمولی قسم کے انسان ہیں اور اوسط درجہ کی تعلیم حاصل کیئے ہوئے ہیں۔ بہرحال میرا یہ تجربہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں جن کو آپ خود بھی کسی وقت دیکھ سکتے ہیں۔ بہ نسبت ایک بڑی طغیانی کے جسے ایک ماہر فن کی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں زیادہ اثر کرنے والی اور نتیجہ خیز ہوتی ہیں اور یہ بالکل بدیہی ثبوت اس بات کا ہیں کہ ہم تغیر ہونے والی زمین میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی چیز ساکت نہیں ہے۔ بلکہ قانون تبدیلی کے ماتحت دورہ کر رہی ہے +

یہاں تک تو مینے اُس ٹھوس زمین کے متعلق جس پہ ہم رہتے ہیں بیان کیا۔ اب ہم مختصراً اس مسئلہ پر غور کریں۔ (۱) زندگی جو ہمیں اس زمین پر ملتی ہے۔ (۲) ذاتی سوال یعنی زندگی جو ہم اس زمین پر بسر کرتے ہیں۔

چند ایسے مسائل بھی ہیں جو ہمارے امکان سے بالکل باہر ہیں اور جو نہ سائنس اور نہ ہی تجربہ سے حل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان میں "مسئلۂ زندگی" ایک مسئلہ ہے۔ لیکن اگر زندگی بذات خود ایک عقدۂ لاینحل ہے تو اُس کے تغیرات اور تبدیلیاں بیّن اور واضح ہیں جنھیں ہر شخص

دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ دُنیاوی زندگی میں زمینی خصلت بھی شامل ہے۔ یعنی غیر استحکام و تبدیلی

اس جگہ میں ان تمام دلائل کو نہیں دے سکتا جو بااین علم حیات و مسئلہ ارتقا وغیرہ نے بیان کیئے ہیں۔ کیونکہ تقریبًا سب نے ایک ہی بات کو مختلف پیرایہ میں لکھا ہے۔ اگرچہ نتیجہ میں ایک دوسرے سے دُور جا پڑے ہیں۔ مجھے صرف اس قانون کے متعلق لکھنا ہے جس کی صراحت میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے اور جس کا ثبوت ذاتی مشاہدہ سے بھی ملتا ہے۔

مردہ جانور یا نباتاتی زندگی میں جو تغیرات واقع ہوئے۔ اُن کے دیکھنے کے لیئے زیادہ علم یا مہارت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جیساکہ زمین کی مختلف تہ کو دیکھنے میں پڑا کرتی ہے۔ ہر شخص خود ہی نباتاتی زندگی میں خصوصًا یہ مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اور جتنا بھی ہم گذشتہ زمانہ کی طرف چلیں اُتنا ہی تغیّرات زیادہ واضح ہونے لگیں گے۔ حیوانی زندگی میں غالبًا اُن لوگوں کو جو علم حیات سے نابلد ہیں کچھ دقّت واقع ہوگی۔ لیکن جو لوگ قصّے پڑھ سکتے ہیں اُن پر بخوبی روشن ہے۔ اگرچہ اوقات زمانہ بہت طوال طویل ہیں۔ نباتاتی زندگی میں بہت آسانی ہے۔ کیونکہ ہم وہاں تک جلد پہنچ سکتے ہیں اور اپنے نقش و صورت میں اتنا جدا نہیں ہے۔ کیونکہ نئے میں بھی پرانے کی خصوصیت موجود ہے۔ کیونکہ جڑ۔ تنے۔ پتیاں اپنی مختلف صورت میں بھی پرانے نمونوں میں پائی جاتی ہیں +

الغرض بہت سی ایسی تبدیلیاں ہیں جو بہت خفیف اور بار بار ہونی والی ہیں جن کا ذکر میں آئندہ دوسرے مضمون میں کروں گا۔ سردست میں قانون تبدیلی کے عمومیت اور اس کا لاتبدیل ہونا دکھلانا چاہتا ہوں کہ کس طرح اس کا عمل ابتدا سے ہے اور انتہا تک جاری رہے گا +

اب ہمیں اس دنیوی زندگی کے متعلق کیا پتہ لگتا ہے؟ جہاں تک عام انسانی زندگی کا سوال ہے اُس میں ذرہ بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ ہم بیسویں صدی میں پیدا ہوئے کیونکہ تبدیلی کا راستہ عرصہ سے اوپر یا ترقی کی طرف جا رہا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی حالت روزافزوں ترقی پر ہے اور زندگی گذراشتہ کے قابل ہے۔ اگر آپ نے تفتیش کی نگاہ سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ [illegible] وقت انسان کتنی ہی صورت میں ایک دوسرے کے اس قدر قریب نہ تھا جتنا کہ اس زمانہ میں ہے اور [illegible] امید ہے کہ

جب اس جنگ کا خاتمہ ہوجائے گا تو قوموں میں یکجہتی اور یگانگت اور بھی بڑھ جائے گی اور نیکیاں سیکھ جائیں گی اور اس موجودہ بدی سے نیکی کا ظہور ہوگا۔ اور بُرے دن گذرنے کے بعد انسان خوش و خرم اور بہتر ہو جائے گا +

ہم جانتے ہیں کہ اس وقت تک بھی امیر اور غریب موجود ہیں۔ رنج والم کالعدم نہیں ہوئے لیکن اگر ہم ابتدائی تمدن کے پُرانے خیالات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ انسان کی حالت اُس وقت بہت گری ہوئی اور خستہ تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے تبدیلیاں جو ہو رہی ہیں وہ ترقی کی طرف چل رہی ہیں۔ اس وقت زندگی لمبی ہوتی ہے۔ شیکسپیر کے زمانہ میں ایک آدمی پچاس یا پینتالیس سال کی عمر میں ضعیف ہوجاتا تھا۔ وہ خود بھی ۵۲ سال کی عمر میں مرگیا اور اس کے ہمعصر کہتے ہیں کہ یہ اچھی خاصی لمبی عمر تھی۔ اس زمانہ میں ایک شخص کے ۷۰ سال میں بھی دماغی قوے درست رہتے ہیں۔ مہذب ممالک میں وہاں کے لوگ بہتر مکان میں رہتے۔ اچھا کھاتے پیتے عمدہ تعلیم حاصل کرتے اور ہر طرح سے اُنکی نگہداشت ہوتی ہے۔ حالانکہ زمانہ سابق میں یہ باتیں خواب وخیال تھیں۔ قوانین قدرت کا ہم کو خوب علم ہے اور ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر کوئی قانون ٹوٹ جائے گا تو اُس کا خمیازہ اُٹھانا پڑیگا اگر سوسائیٹی کا ایک حصہ بھی تکلیف میں ہو تو تمام سوسائٹی بحیثیت مجموعی تکلیف میں پڑجائے گی اور نقصان اُٹھائے گی۔ چنانچہ بعض ممالک میں گورنمنٹ نے خود ایک حد تک کچھ بوجھ اپنے اوپر لیا ہے اور نسل انسانی کی بہبودی اور بہتری کے لیئے صحت۔ حفظان صحت وغیرہ کے قوانین نافذ کیئے ہیں جس کا نتیجہ کیا ہوا۔ کہ ایک بہتر معیار۔ اور لمبی زندگی انسان بسر کرنے لگا۔ ہم نئے ایام۔ نئے طور طریق نئے انسان اور نئے آداب سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں یہ قانون غیر متغیر ہے +

نظم

ہر نئی آن نئی بات نئی شان ہے یہاں — روز افزوں ہو ترقی یہی اعلان ہے یہاں
جس پہ اسلاف کو تھا فخر وہ کانون ہوئے — اب تو کچھ پیش نظر اور ہی سامان ہے یہاں
کرکے منسوخ انھیں لائیں گے اخلاف نیا — بس رواں روز ازل سے یہی پیمان ہے یہاں

بہر حال نجات کہیں نہیں ہے ہم خواہ آگے چلیں یا پیچھے ہٹیں۔ خواہ ترقی کرکے اعلٰے زندگی میں داخل ہوں یا تنزل کے گڑھے میں گریں۔ جو کہ انسان کے نام جو سر برمانی ہو رہے +

یہاں تک تو عام طور سے زندگی کا بیان ہو چکا۔ اب شخصی زندگی پر اس کا کس طرح اثر ہوتا ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے جسے مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن اس جگہ بھی **قانون** لاتبدیل ہی اپنا کام شروع سے آخر تک کرتا چلا آتا ہے۔ ایک روسی مصنف لکھتا ہے کہ انسان کی زندگی میں تین درجے ہیں یعنی پیدائش زندگی۔ موت۔ ہمارا اس دنیا میں وارد ہونا۔ اس دنیا میں سفر کرنا اور پھر اس دنیا سے رخصت ہو جانا۔ ان میں ایک یعنی پہلا مرحلہ ہمارے امکان سے باہر ہے۔ دوسرا ہمارے اختیار میں ہے۔ ہم جس طرح چاہیں فائدہ اٹھائیں۔

اب رہا تیسرا سو یہ ہمارے عمل پر مبنی ہے۔ خواہ ہم اسے اچھا بناویں یا برا۔ کیونکہ جیسا عمل ہوگا ویسا ہی اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں اس پر شبہ ہے۔ مگر میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی بات صاف اور بین نہیں ہو سکتی۔ نیک یا بد جو کام ہم کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہم کو واپس ملتا ہے سفر میں ان کا قیام دیر تک بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح کاروان ریگستان میں ٹھیرتا ہے۔ اور ہم اپنے دل میں یقین کر بیٹھیں کہ اب وہ واپس نہ ہونگے۔ لیکن ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ ہمارے راستہ پر آکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تحفہ نذر کرتے ہیں یعنی نیک کے واسطے زندگانی اور بد کے لیئے موت۔ اس پر غور کیجیئے اور اپنے خیال کو مضبوط کر لیجیئے کسی شاعر نے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں۔ نہایت صفائی کے ساتھ لکھا ہے۔ ؎

گر کوئی بد کریگا تو رنج و دکھ بھرے گا | تڑپے گا تو خوشی کو تکلیف میں مریگا
ہاں نیک کام کیجئے راحت کو ساتھ لیجے | بھٹکے گا نہ پاس کمنت یوں ہم تو کریگا

آپ اس قانون کے عمل کو روک نہیں سکتے کیونکہ اس کا کام ہماری پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے اور لگاتار جاری رہتا ہے۔ ہم وقت کو پھیر کر پھر زندگی کے راستہ پر نہیں چل سکتے۔ کل کا دن گذر گیا۔ آج چل رہا ہے۔ اور ممکن ہے کہ روز فردا نصیب نہ ہو۔ لنگر چل رہا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے وقت میں سے سیکنڈ اور منٹ گذرتے جاتے ہیں۔ اور ہم اسے روک نہیں سکتے اور نہ گھڑی کی سوئی کو پیچھے پھیر سکتے ہیں۔ اب ہم کو چاہیئے کہ ہم نمونہ بن کر دوسروں کی بہبودی کا موجب ہوں

نظم

زمانے کے مد و جزر کو نہ پوچھو | فقط آنکھ پھیلائے چپ چاپ دیکھو

کبھی تو یہ بالائے چرخِ بریں ہے	کبھی یہ تنزّل سے زیرِ زمیں ہے۔
اگر آج ہے صاف مطلع تو کل ہی	برسنے لگے گی گھٹا کالی کالی ؂
بس انسان کو چاہیئے جان رکھے	بھلائی کا ہر ایک کے دھیان رکھے

اگر زیادہ تر تدبّر کرنے والے اور غور کرنے والے ہو جائیں تو ہمیں بہت سی مصیبتوں۔ رنج تکلیفوں اور باتوں سے نجات مل جائے۔ لیکن ایسی باتیں واپس نہیں آتیں اور نہ اُن کا اثر افسوس یا رنج سے دُور ہو سکتا ہے۔ بلکہ تھوڑے سے غور و خیال سے رفع ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک مختصر لفظ کہدینا کافی ہے یعنی "افسوس" لیکن ؎

لازم ہے کہ انسان کرے تب توبہ	ہر موئے بدن اس کا کرے جب توبہ
ساقی کس کام کی وہ توبہ تیری	در دل ہوس گناہ و برلب توبہ

زیں توبۂ نادرست یارب توبہ

ہم غلطیوں سے بچ نہیں سکتے اور بعض وقت تندمزاج ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُن سے ہم کو آیندہ کے لیئے سبق حاصل کرنا چاہیئے تاکہ پھر اس قسم کے فعل سرزد نہ ہوں ؂

کیا یہ مشکل بات معلوم ہوتی ہے جب چاروں طرف دیکھ کر محسوس کرتے اور کہتے ہیں کہ ہر چہار اطراف تغیّر اور زوال ہی زوال نظر آتا ہے" کوئی شئے پائیدار نہیں ہے اور سب بے ثبات ہیں؟

اُس شخص کے لیئے جس کا ایمان کمزور ہے یہ ایک رنجیدہ اور بھیانک منظر ہے۔ لیکن جو شخص خدا تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور بعث بعد الموت پر یقین ہے ان کے لیئے کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے اور دیکھتے ہیں کہ اگر فنا نہیں ہے تو پھر دوبارہ زندگی نہیں ہے۔ اور اگر موت نہو تو پھر بقائی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی ؂

منکروں کے لیئے موت بمنزلہ تاریکی کے دریا کے ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ غرق رہیں گے۔ لیکن مومنوں کے لیئے موت زندگی کا دروازہ ہے۔ جہاں **قانون تغیّر** کا کوئی بس نہیں چل سکتا جہاں تمام باتیں یقینی اور مستقل ہیں۔ اور تغیّر و زوال کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اب کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ کوئی بھی چیز پائیدار اور دائم نہیں ہے؟ میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ دائم قائم ہے۔ حق کا کبھی زوال نہیں ہوتا۔ وہ کچھ وقت کے لیئے پوشیدہ رہتا ہے لیکن پھر ظاہر ہو کر مطلع انوار بنجاتا ہے ؂

اسلام کی ایک سرگذشت

(از یحییٰ النصر پارکنسن)

بہ تسلسل سابق

اب ہم ایک اور قسم کے مغالطوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو علم مدن سے تعلق رکھتے ہیں اس قسم کے مسائل کو سمجھنے کے لیئے اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو ایک وسیع اور گہرا علم انسانی تحریکات اور نسل انسانی کی ان ترقیات کا ہو جو ارتقا کے ماتحت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اُن کو ہم صرف صحیح تاریخی تنقید کے علمی ذرائع سے ہی حل کر سکتے ہیں۔ وہ مسائل جن کا تعلق انسانوں اور قوموں کے آنے اور جانے۔ ترقی اور تنزل۔ نشوونما، اور انحطاط سے اور قوموں اور سلطنتوں ترقی تنزل اور تباہی سے ہے۔ جن میں وہ تمام پیچ در پیچ تحریکات شامل ہیں جو انسانیت کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں۔ اِس قسم کے سوالات کا فیصلہ یوں نہیں ہؤا کرتا کہ بعض باتوں کو تو بلا سوچے سمجھے ایک خاص مذہب کے اثر کی طرف منسوب کر دیا جائے اور بعض تحریکات، کو شیطان کی طرف یا دُوسرے مذہب کی طرف یا لامذہبی کی طرف منسوب کر دیا جاوے۔ اُن کو علمی طریق سے حل کرنا چاہیئے جو نہ صرف یہ بتاتا ہے کہ ہر ایک نتیجہ بعض اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ ہر ایک چیز کا فیصلہ بعض خاص حالات سے ہوتا ہے +

جس کتاب پر ہم ریویو کر رہے ہیں اس میں مسٹر لنٹ لکھتا ہے +

"خلفائے بغداد نے بالخصوص سائنس علم ادب اور فنون پر اپنا مربیانہ اثر ڈالا۔ بڑے بڑے فاضل لوگ اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ نہ صرف عربی اور فارسی علم ادب کی چھان بین ہی ہوئی بلکہ یونانی حکماء کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا۔ اور عالیشان کتبخانے جمع کئے گئے۔ علماء اور قابل مترجمین کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اور عالم کے لکھنے کی سیاہی کو شہید کے خون کی طرح قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ جب قسطنطینیہ علم طبابت کو نیچے دبا رہا تھا۔ بغداد اس کو سرسبز کرنے میں

مصروف تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موجودہ علم کیمیا کی بنیاد وہیں ایشیاؤں کی دریافت کے ساتھ رکھی گئی ایک بڑے بھاری کالج کی بنیاد بغداد میں رکھی گئی اور اس کے اخراجات کے لیئے اوقات کا انتظام کیا گیا۔ جہاں کہا جاتا ہے کہ چھ ہزار طالب علم امیر کے بیٹے سے لے کر معمولی پیشہ ور کے بیٹے تک تعلیم پاتے تھے۔ اور ریاضی۔ علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ قانون اور طب کی تعلیم دیجاتی تھی۔ اور یہ صرف دارالخلافہ میں ہی نہ تھا کہ علوم وفنون اور سائنس کو ایک نئی قوت رفتار دی گئی۔ ایک خلیفہ نے ایک قانون بنا دیا کہ جہاں کہیں مسجد بنے اس کے ساتھ ہی ایک مدرسہ بھی بنے۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں کالج اور سکول بن گئے۔ ہسپانیہ میں چھ لاکھ کتابوں کا ایک کتبخانہ تھا۔ اور آج بھی "موروں کی فن تعمیر" میں اسلامی قوت اور شوکت کا اثر نظر آیا ہے۔ (صفحہ ۱۱۱-۱۱۲)

یہ ایک منصفانہ بیان ہے گو یہ ظاہر ہے کہ مصنف نے اپنے خیالات کو ادھر ادھر سے بغیر کافی تحقیقات اور غور کے لیا ہے۔ مندرجہ بالا سطور کے بعد وُہ لکھتا ہے:-

"لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بغداد اور ہسپانیہ دونوں مقامات پر علم کے حامی دیندار مسلمان نہیں بلکہ رشنلسٹ یعنی معقولی فرقہ کے لوگ تھے"

یہاں مصنف کتاب نے وہی طرز اختیار کی ہے۔ وہ اسی طرح پر خاتمہ کیا ہے جیسا کہ ان لوگوں کا شیوہ ہے۔ یعنی پہلے کچھ دبی زبان سے مسلمانوں کے علوم کی حمایت کی تعریف کر دی اور آخر یوں کہکر اسلام کی خوبیوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ اُن کی حمایت مذہب اسلام کی وجہ سے نہ تھی۔ اگر یہ سچ ہے کہ علوم کے حامی دیندار مسلمان نہیں بلکہ معقولی فرقہ کے لوگ تھے۔ تو پھر یہ ناممکن تھا۔ کہ علماء وفضلاء اور قابل مترجمین کی اس طرح پر عزت کی جاتی جس کا اعتراف مصنف کتاب کو بھی ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ امراکے فرزند اور پیشہ وروں کے بیٹے ریاضی اور علم ہیئت اور کیمیا اور قانون اور طبابت کی تعلیم حاصل کرتے۔ یہ تو ماننا پڑے گا کہ دیندار مسلمان سے (جسکو انگریزی میں ارتھوڈکس کہتے ہیں) مراد وہ لوگ جو وقت کے شاہی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں یا جہاں شاہی مذہب کوئی نہ ہو تو مراد کثرت اُن لوگوں کی ہوگی جو ایک اعتقاد کے پیرو ہوں اس صورت میں دینداری خود ایک ایسی چیز قرار پاتی ہے جو حالات زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اور ایک نسل میں جو فرقہ دیندار کہلائے گا۔ اگلی نسل میں اُس کی حالت بدل سکتی ہے پھر دوسری

بات یہ بھی ہے کہ ہر شخص خواہ کسی فرقہ کا پیرو ہو اور ایسا فرقہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنے آپ کو دیندار مسلمان ہی قرار دیتا ہے اور خود اپنی حالت کو دوسروں سے بڑھ کر دینداری کی حالت قرار دیتا ہے۔ مگر یہ ایک فروعی امر ہے +

امر واقع یہ ہے کہ اسلام کے معقولی فرقہ کے لوگ یعنی معتزلہ دائرہ اسلام سے خارج نہ تھے جیسا کہ آجکل کے یوروپین ممالک کے معقولی فرقہ کے لوگ درحقیقت دائرہ عیسائیت سے خارج ہیں جیسا کہ مصنف کتاب لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے۔ وہ بھی اس دائرہ کے اندر اسی طرح تھے اور اسی طرح مسلمان تھے جس طرح جبری فرقہ کے وہ لوگ جو ان کی مخالفت کرتے تھے اور جن کی طرف لفظ غالباً "دیندار" کے لفظ میں اشارہ کرتا ہے۔ حالانکہ معقولی فرقہ کے لوگ یا الگ ہوجانے والے لوگ منصور اور مامون اور ان کے چند جانشین تھے۔ جو درحقیقت اس زمانہ کے دیندار (ارتھوڈکس) کہلانے کے مستحق ہیں اور متوکل کی تخت نشینی تک یہی صورت رہی۔ معتزلوں کا اسلامی خیالات میں اور بعد کے یوروپین خیالات میں بہت کچھ اثر ہے۔ یہاں دونوں طرف کے نام دینے کی ضرورت نہیں نہ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا اختلافات تھے۔ جن کی تعلیم یہ دونوں گروہ علیحدہ علیحدہ دیتے تھے۔ اس کے لیئے بہت سا وقت اور جگہ بکار ہے۔ یہ بتادینا کافی ہے کہ تمام غور و تدبر سے کام لینے والے اور سائنس دان جہاں تک وہ سائنس کی تحقیق اور تنقید میں اپنی بات کو ایک تل اور معقول رنگ میں پیش کرتے ہیں معقولی کہلائیں گے۔ اور اگر ہم اس قسم کے لوگوں کو جیسے ابن رشد وغیرہ ہیں معقولی فرقہ کی انتہائی مثالیں بھی سمجھ لیں۔ تاہم یہ معلوم ہوجائے گا کہ یہ لوگ اپنے زمانہ کے محدثین سے بہت قریب تھے۔ بہ نسبت اس کے کہ مرآو رناج یہ وفیسر ببٹ سن لارڈ کیلون وغیرہ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے شروع کے دیندارانہ عیسائی مذہب سے ہیں۔ گویا ظاہر ہے کہ مسٹر لنٹ اور اس کے ہمخیال ان لوگوں کو عیسائیوں میں سمجھتے ہیں اور عیسائی ہی کہتے ہیں +

تمام زمانوں میں ہمیں اس حالت کا مشاہدہ کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر عیسائی ممالک میں کہ دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں پر عیب لگتے رہتے ہیں۔ اور باوجود ہماری بیسویں صدی کی تہذیب کے یہ طرز اب بھی جاری ہیں۔ چند مثالیں آگے گذر کر اسی قسم کا ایک

بیان ہماری نظر سے گذرتا ہے +

"ہم اس بات کو معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ طبیب۔ سائنسدان۔ مابعد الطبیعیات کے ماہر اور علم ادب کے فاضل جن کو خلفا نے اپنے گرد جمع کر لیا۔ اور جو درحقیقت ان کے لیئے ایک فخر کی بات ہے وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ یونانی یہودی اور ایرانی تھے۔ اور خلفا میں سے سب سے زیادہ روشن خیال بھی جو پیغمبر اسلام کے دین کے سردار اور امیر تھے دل سے مسلمان نہیں تھے بلکہ کافر تھے یہاں غور کے لیئے بہت سا مصالحہ ہے"

ہمیں بھی مسٹر لنٹ کو یہ یقین دلانے میں کچھ تامل نہیں کرتا کہ یہاں غور کے لیئے بہت سامان ہے ایک طرف تو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ علم کے حامی معقولی فرقہ کے لوگ تھے اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ اہل علم لوگ یونانی (جس سے غالباً اُن کی مراد عیسائی ہے) یہودی اور ایرانی تھے۔ تو کیا اب ہم یوں سمجھیں کہ یہی یونانی۔ یہودی۔ ایرانی معقولی فرقہ کے لوگ تھے؟ اگر مسلمان اہل علم نہ تھے نہ سائنس دان تھے۔ نہ طبیب تھے تو یہ فرض نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ علم کے حامی تھے۔ یہ تعجب ہے کہ مصنف نے معمولی عیسائی طریق کا تتبع کر کے یوں نہیں کہدیا کہ اسلامی سلطنت اپنے مذہب کی وجہ سے تباہ نہیں ہوئی بلکہ اس لیئے کہ خلفا دل سے مسلمان نہ تھے بلکہ کافر تھے۔ اگر عیسائی سلطنت ہوتی تو ضرور یہ نتیجہ نکال لیا جاتا۔ مگر چونکہ ذکر اسلامی سلطنت کا تھا۔ اس لیئے یہ بیان مصنف کی پالیسی کے خلاف تھا۔ کیونکہ اس کی اصل غرض صرف مذہب اسلام کو بدنام کرنا ہے +

کوئی اہل علم اس بات کا انکار نہیں کر سکتا۔ کہ پہلے مسلمانوں نے شام اور ایران کے غیر مسلموں سے فائدہ اُٹھایا۔ کیونکہ انھوں نے قدیم یونان کی سلطنت خیال کے خزانوں پر اُن اطلاع دی مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ مگر مسلمانوں کو یہ فخر یقیناً حاصل ہے کہ اس موقعہ کو اُنھوں نے گنوایا نہیں بلکہ اسے ذریعہ اُٹھایا۔ اور وہ خود علم کی دُھن میں لگ گئے اور سارے علوم وفنون کو چھان مارا۔ چنانچہ چند ہی سال میں وہ خود استاد اور معلم بن گئے۔ اور اپنی تحقیقاتوں کے ساتھ سائنس کی ہر ایک شاخ میں اُنھوں نے قابل قدر ترقی کی اور علم ادب کو ایسے ایسے جواہرات سے آراستہ کیا جو دُنیا نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے

(باقی آئندہ)

اسلام کی عالمگیر اخوّت

نسل انسانی کی تاریخ پر جب کبھی کسی آئندہ زمانہ میں تعصّبات سے خالی ہو کر نظر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ نسل انسانی کی ترقی میں سب سے بڑی روک وہ تفریق رہی ہے جس کی بنا قومی تعصّب پر رکھی گئی ہے۔ ان قومی تعصّبات نے کس طرح پر ایک قوم کو دوسری کی اچھی باتوں سے محروم رکھا اور بلاوجہ دوسرے کا دشمن بنائے رکھا۔ اس کی مثال مذہب کی تاریخ سے نہایت صفائی سے ملتی ہے۔ آج کس طرح پر ایک قوم دوسری قوم کو اپنی مذہبی صداقت سے مستفید کرنا چاہتی ہے اور کس طرح ہر قوم کوشش کر رہی ہے کہ کل دنیا کو اپنی مذہبی صداقتوں کا شیدا بنا کر اپنے ساتھ ملائے مگر ایک زمانہ تھا۔ کہ ہر ایک قوم اپنی مذہبی صداقتوں کو اپنی ہی خاص ملکیت سمجھتی تھیں اور دوسروں کو اس سے بہرہ ور اور متمتع کرنا بھی جائز نہ سمجھتی تھیں۔ ہندوؤں اور بعض دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں آج تک ہم کو اس کا کچھ اثر نظر آتا ہے۔ اور ہندو مذہب تو گویا مذہبی صداقتوں کے متعلق بخل کی انتہائی مثال پیش کرتا ہے۔ اس کی مقدس کتاب نہ صرف دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے لیئے ہی مدت تک راز سربستہ کی صورت میں رہی ہے۔ بلکہ خود ہندو قوم کا اپنا ایک عنصر یعنی بدقسمت شودر بھی اس قابل نہیں سمجھا گیا۔ کہ وید مقدس کے الفاظ کسی تقدس مآب برہمن کے مونھ سے نکل کر اتفاقاً ہی اس کرہ ہوائیہ کے ان ٹل قانون کے ماتحت ہوا میں تموّج پیدا کرتے ہوئے شودر کے ناپاک کانوں کے پردوں کو کھٹکھٹائیں۔ اور اگر ایسا ہو تو یہ اس برہمن کا قصور نہیں جس نے کرہ ہوائیہ میں یہ تموّج پیدا کیا۔ نہ اس ہوا کا کوئی قصور ہے جس نے من وعن ان الفاظ کی اصوات کو خواہ ان کے معنے کچھ سمجھ آئیں یا نہ آئیں شودر کے کان تک پہنچا دیا بلکہ گردن زدنی وہ شودر ہے۔ کہ کیوں اتفاق سے اس کے کانوں نے اس وقت کھلے رہ کر اس تموّج کو اپنے پردوں تک پہنچنے دیا۔ گو اس کو کچھ بھی قدرت اس آواز کے اپنے کانوں سے دور رکھنے کی نہ ہو۔ مگر وید مقدس کسی طرح پر شودر کے کان تک نہیں پہنچنا چاہیئے۔ اور یہ شودر کا فرض ہے کہ وہ ایسی جگہ موجود نہ ہو جہاں وید مقدس کے الفاظ کرہ ہوائیہ میں تموّج پیدا کر رہے ہوں۔

یہ مثال ہم کو کیسی نفرت کے قابل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور سے کام لیا جائے تو جو دیوار ویدِ مقدس اور شودر کے درمیان حائل رہی وہی دیوار ہر جگہ دنیا کی ایک قوم اور دوسری قوم کے درمیان حائل رہی۔ اور مذہبی صداقتیں ہر قوم کی خاص ملکیت رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں کسی قدر یہ مشکلات حالات پیش آمدہ کا نتیجہ بھی تھیں۔ باہم میل جول اور تعارف کے اسباب قریبًا مفقود تھے۔ ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بیخبر تھی۔ اور ان حالات میں یہ بہت مشکل تھا کہ ایک قوم کے اندر جو مصلح پیدا ہوا ہے وہ اپنا پیغام دوسری قوم تک پہنچا سکے اسلیئے لازمًا اس کی مساعی کا دائرہ ایک ہی قوم تک محدود رہتا اور مصلحت الٰہی کا بھی یہ تقاضا ہوا کہ ہر قوم کے اندر علٰحدہ نبی بھیجکر اُس کی اصلاح کا سامان مہیا کردے تاکہ کوئی قوم ان سامانوں سے محروم نہ رہے۔ جو اس کی روحانی نشو و نما کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ آہستہ آہستہ یہ ہوا کہ مختلف قومیں اپنے آپ کو ہر خوبی کا مالک اور دوسروں کو ہر خوبی سے عاری سمجھنے لگیں اور تفریق قومی روز بروز زیادہ نمایاں ہوتی چلی گئی۔ حتٰی کہ یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ دوسری قومیں اس قابل بھی نہیں کہ وہ ایک مذہبی صداقت سے کوئی فایدہ اُٹھا سکیں اور اس طرح یہ ہر ایک مذہب کی صداقتوں کا دائرہ تنگ ہوتا چلا گیا +

ان تمام قومی نبیوں کے اندر جو وقتًا فوقتًا اپنی اپنی قوموں کی اصلاح کے لیئے بھیجے گئے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ آپ ان قومی نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد چھ سو سال تک دنیا کے کسی حصہ میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ رحمۃ للعالمین کا وجود مبارک دنیا میں ظاہر ہو کر کل قومی تفریقوں کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح کو بھی چونکہ زمانہ محمدی سے کچھ قریب حاصل تھا۔ اس لیئے آپ کی تعلیم میں بھی کچھ وسعت کا رنگ پیدا ہو گیا۔ گو وہ رنگ ایسا ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ذہن میں نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر مسیحی مذہب پر یہ رنگ چڑھانے والے آپ کے وہ جانشین ہیں جنھوں نے یہودیوں کی اصلاح سے مایوس ہو کر دوسری قوموں کی طرف رُخ کیا۔ مگر ایسی حالت میں کہ اس مذہب کی ہی کایا پلٹ دی۔ جس کو لے کر حضرت مسیح علیہ السلام آئے تھے۔ حضرت مسیح کی تعلیم میں جو تھوڑی بہت وسعت پائی جاتی ہے وہ اور قسم کی ہے اور اس میں کوئی شبہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ یقین واثق سے اس عقیدہ پر قایم تھے کہ آپ کا پیغام اور آپ کی اصلاح کا دائرہ صرف قوم بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ اور اس لیئے ان قومی تفریقات کو مٹانا آپکا

کام نہ تھا جنھوں نے مذہبی صداقتوں کے دائرہ کو ایک عرصہ دراز سے تنگ کر کے خاص خاص قوموں کے ملک بنا رکھا تھا۔ آپ نے بہت سی یہودی تعصبات کو توڑا۔ نمائشی پرہیزگاری سے روکا۔ اور دل کی پاکیزگی کی طرف بزور توجہ دلائی۔ مگر قومی تعصب کی سد سکندری کو دور کرنا آپ کی طاقت میں نہ تھا۔ آپ کی وہ خوبصورت پہاڑی وعظ اپنے اندر بعض بڑی بڑی خوبی کے جواہر ریزے رکھتی ہے اور بہت سی اعلےٰ درجہ کی ہدایات بر رنگ تعلیم اس کے اندر موجود ہیں۔ گو وہ عملی جامہ پہننے کو ناقابل ہوں مگر وہ دیوار جو یہودی اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان حائل تھی۔ اسکو آپ نہیں اُٹھا سکے۔ اسی پہاڑی وعظ میں جس کے دل خوش کن فقرات اکثر حالات میں عمل میں آنیکے قابل ہیں اور جس میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ انسان کو اس کی طاقت سے بھی بڑھ کر کسی اعلےٰ مقصد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ جہاں تک پہنچنا آج دو ہزار سال بعد بھی ویسا ہی ناممکن ثابت ہوا ہے۔ جیسا اس تعلیم کے وقت تھا۔ یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ نسل انسانی کی وحدت پر آپکی تعلیم بالکل اُلٹے رنگ میں اور اسی قومی تفریق کے رنگ سے رنگی ہوئی ہے۔ جو عام طور پر یہودیوں میں پائی جاتی تھی۔ حالانکہ کم از کم پہاڑی وعظ کے دل خوش کن مگر ناقابل عمل ہدایات کے اندر یہ تعلیم بالکل اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وے اُنھیں پامال کریں اور پھر کر تمہیں پھاڑیں" (متی باب ۷ درس ۶) اگر کتوں سے مراد وہ ناپاک لوگ ہوں جو اچھی باتوں کی قدر نہیں کرتے تو خواہ ایک معترض کچھ کہے۔ مگر ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہہ مل جاتی ہے۔ گو اس میں بظاہر ایک مایوسی کا رنگ پایا جاتا ہو۔ کہ بعض لوگوں کو کتوں کی طرح ناپاک سمجھ کر انھیں نصیحت کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ تاہم یہ بات ایک حد تک قابل تسلیم ہو جاتی۔ کہ جب بعض لوگ اس بات پر تلے ہوئے ہیں۔ کہ وہ اچھی باتوں کی پروا نہیں کریں گے تو اُن کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ گو یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے پاک کلام نے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہؤا۔ ایک نہایت لطیف راہ اختیار کی ہے۔ اور گو ان لوگوں کا نقشہ بار بار کھینچا ہے۔ جو کلام الٰہی کی قدر دانی نہیں کرتے اور سچے ناصح کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ لیکن فرمایا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم ان کے نزدیک یکساں ہے تو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ کہیں فرمایا لھم قلوب

لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغٰفلون (الاعراف ۱۷۹) اُن کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں اور اُن کی آنکھیں ہیں اُن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں اُن سے سنتے نہیں وہ چارپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ یہ غافل (لاپرواہ) لوگ ہیں۔ مگر سارے قرآن میں ہمیں نہیں نہیں فرمایا کہ تم ان سے مایوس ہو کر انھیں وعظ کرنا چھوڑ دو۔ بلکہ بار بار تبلیغ اور انذار کے حکم ہی نازل ہوتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر بار بار امید دلائی ہے کہ یہ مردے ہیں جن کو ہم زندہ کر دیں گے۔ اور یہ اندھے ہیں جن کو ہم آنکھیں دیں گے اور ان کی تمام ناپاکیوں اور پلیدیوں کو ہم دور کر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے مقابل حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسا عظیم الشان عزم دیا گیا ہے۔ اور جتنا بڑا کام ہو ضروری ہے کہ اُتنا ہی بڑا عزم ہو۔ لیکن اس بات کو الگ کر کے بھی ہم اس قدر تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی کلام میں ناپاکوں سے مراد وہ پلید لوگ ہوتے جو پاکیزگی کی راہوں کو اختیار کرنا ہی نہیں چاہتے تو حضرت مسیح کے ان الفاظ کی ایک اچھی توجیہہ ہو سکتی ہے۔ لیکن جب ہم خود انجیل متی کو پڑھتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دُوسرے کلام سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا ان الفاظ میں اس اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کی تفریق کی طرف اشارہ تھا جو اب تک یہودی قوم میں چلی آتی تھی۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی ایک برگزیدہ قوم بلکہ خدا کے بیٹے اور پیارے سمجھتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے نحن ابناؤ اللہ واحباؤہ۔ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں۔ اور دُوسروں کو ناپاک اور ناقابل التفات اور اللہ تعالےٰ کی عام رحمتوں اور باطنی نعمتوں سے قطعاً محروم سمجھتے تھے۔ اور حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ کے منقولہ بالا فقرہ میں مطلب یہی تھا۔ یعنی پاک سے مراد اُن کی اپنی تعلیم تھی اور کتوں سے مراد غیر اسرائیلی قومیں۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اسے روز روشن کی طرح صاف کرتا ہے:-

"تب یسوع وہاں سے روانہ ہو کے صور اور صیدا کی اطراف میں گیا۔ اور دیکھو ایک کنعانی عورت وہاں کی سرزمین سے نکل کے اسے پکارتی ہوئی چلی آئی۔ کہ اے خداوند داؤد کے بیٹے مجھ پر

رحم کر کہ میری بیٹی ایک دیو کے غلبہ سے بے حال ہے۔ اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب اسکے شاگردوں نے پاس آکر اس کی منت کی کہ اسے رخصت کر کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے اس نے جواب میں کہا۔ میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی پاس نہیں بھیجا گیا۔ پر وہ آئی اور اُسے سجدہ کر کے کہا۔ اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب دیا مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں۔ اس نے کہا سچ اے خداوند مگر کتے بھی جو ٹکڑے ان کے خداوند کی میز سے گرتے کھاتے ہیں۔ تب یسوع نے جواب میں اُسے کہا اے عورت تیرا اعتقاد بڑا ہے۔ جو چاہتی ہے تیرے لیئے ہوئے" (متی باب ۱۵ ورس ۲۱ تا ۲۸)

اب اس حوالہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ان ناپاک لوگوں کو کتے نہیں کہا گیا جو خدا کی کلام کی پروا نہ کرتے ہوں۔ بلکہ غیر اسرائیلیوں کو خواہ وہ کلام سننے کے یا اس سے فایدہ اٹھانیکے کتنے ہی مشتاق کیوں نہ ہوں کتے کہا گیا ہے۔ اور آخر اس کنعانی عورت نے کتا ہونا قبول کیا۔ تو حضرت مسیح سے فایدہ اُٹھایا۔ یہاں تو جنوں اور بھوتوں کے نکالنے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اس سے ہمیں چنداں بحث نہیں۔ خواہ وہ جن اور بھوت جن کی مسیح سے نکالنے کی درخواست کیگئی اس قسم کے جن اور بھوت تھے جیسے آج کل بھی عامل لوگ نکالنے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ یا وہ جن تھے جو انسانوں کے ایمان پر قبضہ کر کے اُن کو نیکیوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ جن کے نکالنے کے لیئے خدا کے نبی مبعوث ہو کر آتے ہیں۔ بہرحال حضرت مسیح نے اس کنعانی عورت کو فایدہ پہنچانے سے انکار کیا۔ کیونکہ وہ اسرائیلی نہ تھی۔ متی کی انجیل کے ہی ایک اور مقام سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ جہاں بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیئے روانہ کیا جاتا ہے۔ وہاں حضرت مسیح اُن کو ذیل کی ہدایات دیتے ہیں۔

"ان بارھوں کو یسوع نے فرما کے بھیجا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ پہلے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ بیماروں کو چنگا کرو۔ کوڑھیوں کو پاک صاف کرو۔ مردوں کو جلاؤ۔ دیووں کو نکالو۔ تم نے مفت پایا مفت دو" (متی باب ۱۰ ورس ۵ تا ۸)

پس حضرت مسیح نے نہ صرف اپنی دعوت کو ہی اسرائیلیوں تک محدود کیا۔ بلکہ اُس نے اپنے

پیروؤں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت کی۔ غیر اسرائیلیوں کے ساتھ انھیں تعلق رکھنے یا انھیں وعظ و نصیحت کرنے سے منع کیا۔ اور یہ حد بندی صرف فرضی اور لفظوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اسکا بڑا بھاری ثبوت یہ بھی ہے کہ عملاً بھی یہی کچھ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا۔ چنانچہ جب تک آنجناب ان کے درمیان رہے ایک بھی غیر اسرائیلی نہ آپ کے حواریوں میں داخل ہوا نہ ہی اس سلسلۂ اخوت میں منسلک کیا گیا۔ جس کی بنیاد اسرائیل کے اندر حضرت مسیح علیہ السلام نے رکھی تھی بلکہ آپ کے تمام کے تمام تبعین صرف اسرائیلی تھے۔ اس طرح پر جو وعظ زبانی آپ نے فرمایا کہ ہمارا مشن صرف اسرائیل تک محدود ہے۔ اس کا عملی ثبوت بھی دے دیا اور کسی غیر اسرائیلی کو اپنے سامنے عیسائی مذہب میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ اس لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا دائرہ زیادہ وسیع نظر آتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر جو لوگ مصر میں ایمان لائے اُن کو آپ ساتھ ہی لے آئے تھے۔ جب مصر سے خروج فرمایا۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر واقعی حضرت مسیح کی یہی تعلیم تھی اور یہی آپ کا عمل تھا تو بلا شبہ عیسویت کا دائرہ صرف اسرائیلیوں تک محدود تھا۔ پھر آج جو ہم دیکھتے ہیں کہ اسرائیلی قوم کے لوگ عیسائیت کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ہر ایک شخص جو عیسائی مذہب کی تاریخ سے واقف ہے وہ اس سوال کا جواب یہی دے گا۔ کہ اس وسعت کا ذمہ دار پولوس تھا مگر اس کو بھی ہم الزام نہیں دیتے کہ اُس نے اپنے استاد کی تعلیم کے خلاف کیا۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر ذکر ہُوا ایک حد تک حضرت مسیح نے خود بھی حد بندی کو توڑ دیا تھا۔ گو غیر اسرائیلی کو انھوں نے سلسلۂ اخوۃ میں داخل نہیں کیا۔ مگر گرے ہوئے ٹکڑوں کے کتوں کو دینے سے بھی انکار نہیں کیا۔ مسیح کے حواریوں کو جنھوں نے مسیح کے احکام اپنے کانوں سُنے تھے کہ تم نے غیر اسرائیلی کے پاس نہ جانا اور مسیح کے عملدرآمد کو اپنی آنکھوں دیکھا تھا۔ کہ کوئی غیر اسرائیلی سلسلۂ اخوت میں داخل نہیں کیا گیا۔ پہلے پہل ضرور پولوس کے خیالات سے اختلاف ہُوا ہوگا۔ مگر بالمقابل اس کے وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک غیر اسرائیلی عورت کی گریہ وزاری پر حضرت مسیح نے کوئی رحم نہیں کھایا۔ جب تک کہ اس نے کُتا بن کر گرے ہوئے ٹکڑے نہیں مانگے۔ ہاں جب اُس نے اپنے آپ کو اس حیثیت میں پیش کیا تو مسیح نے بھی وہ چیز جسے اسرائیلی قبول نہ کرتے تھے۔ اسکو دینے

سے انکار نہیں کیا۔ تب آپ کا دل اس کے لئے پگھلا۔ پس یہ نظارہ بھی ضرور ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ کہ جو چیز بحیثیت بیٹا ہونے کے غیر اسرائیلیوں کو نہیں دیجا سکتی۔ وہی چیز ایک ادنیٰ درجہ پر ان کو رکھ کر دیجا سکتی ہے۔ تو گویا گو حضرت مسیح نے بنی اسرائیل کے سلسلۂ اخوت کو توسیع کرنا پسند نہیں کیا۔ اور بحیثیت بیٹوں کے دوسروں کو داخل کرنے سے انکار کیا۔ مگر وہ نصائح جنکو بیٹے قبول نہ کریں اُنھی کو اگر دُوسرے لوگ اس حیثیت میں لے لیں جس حیثیت میں ایک کتا بھی اپنے مالک کی روٹی کا حصہ لے لیتا ہے۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ اس طرح پر گویا اس دیوار میں ایک چھوٹا سا روزن ہو گیا جو اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کے درمیان حائل تھی۔ اور وہ چیز جسے ابھی ساری قوموں کو بھائی بھائی بنا کر دینے کا وقت نہ آیا تھا۔ وہ ایک ادنےٰ حیثیت کو قبول کرنے کی صورت میں دُوسروں کو بھی ملنے کی امید ہو گئی۔ پولوس کے دل میں ضرور اس قسم کے خیالات موجزن ہونگے۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہودی تو مسیح کے پیغام کی پروا نہیں کرتے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کا نام ہی دُنیا میں نہ رہے۔ اس تعلیم سے اگر یہودی فائدہ نہیں اُٹھاتے تو کیوں غیر اسرائیلیوں کو اس دائرہ کے اندر داخل نہ کیا جاوے۔ کیونکہ بہرحال اس تعلیم کا زندہ رکھنا ضروری ہے اور کنعانی عورت کے ساتھ جو معاملہ مسیح کا ہُوا وہ اُس کے ذہن میں ہوگا۔ جیسا کہ ذیل کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے ۔

"دوسرے سبت کو قریب سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوئے کہ خدا کا کلام سنیں۔ مگر اتنی بھیڑ دیکھ کے یہودی ڈاہ سے بھر گئے اور خلاف کہتے اور کفر بکتے ہوئے پولس کی باتوں سے مخالفت کی تب پولس اور برنباس نڈر ہو کے بولے کہ ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے لیکن جس حال کہ تم نے اُس کو رد کیا اور آپ کو ہمیشہ کی زندگی کے لائق نہ سمجھا تو دیکھو ہم غیر قوموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں"۔ (اعمال باب ۱۳ ورس ۴۴ تا ۴۶)

پولوس کے یہ الفاظ کہ ضرور تھا۔ کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے۔ صاف بتاتے ہیں کہ اُس نے حضرت مسیح کے کنعانی عورت والے قصہ کی یوں تاویل کری کہ اصل اور مقصود بالذات تو یہود کی اصلاح ہی تھی۔ لیکن جب اُنھوں نے انکار کیا۔ اور مسیح کے پیغام کو قبول نہیں کیا۔ تو اب دُوسروں کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی ہرج نہیں۔ چنانچہ پولوس ہی اس تحریک کا اصل بانی ہے جس نے

بعد میں عیسائی مذہب کا اصل نقشہ بالکل بدل دیا اور ایک طرف اگر اُس کو عالمگیر مذہب بنا دیا تو دوسری طرف ان اصُول منقہ پر بھی اس کو قائم نہ رہنے دیا جن پر حضرت مسیح قایم تھے۔ اس طرح پر دونوں پہلوؤں میں حضرت مسیح کی تعلیم کی مخالفت کی۔ مگر وہ صریح مخالفت نہ تھی۔ بلکہ تاویل کے رنگ میں مخالفت تھی پھر جب یہ دروازہ کھل گیا تو یہودیوں سے علیحدگی بھی روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ توحید کی تعلیم بھی ترک کر دی گئی۔ جسے مسیح لائے تھے اور بُت پرست مذاہب کا جو اس وقت رومی سلطنت مروج تھے۔ رنگ عیسائیت پر چڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر یہ مذہب ایک بالکل نیا اور عالمگیر مذہب بن گیا۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کا منشا تو پورا نہ ہوا مگر ان کا نام خوب کام دے گیا۔ اور محض اس نام کے نیچے بہت سی وہ باتیں اس مذہب کے اندر داخل کر دی گئیں جن کی غرض غیر اسرائیلیوں کے گلے سے اس کڑوی گولی کو نیچے اُتارنا تھا۔ اس طرح پر ایک طرف اگر یہودیوں کی بجائے غیر یہودی اس مذہب کے پیروؤں میں بڑھتے چلے گئے تو دوسری طرف خود یہودیت کے اجزاء اس میں سے مفقود ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ نئے نئے اعتقادات ابنیت اور کفارہ و تثلیث نے لے لی۔ مگر باایں وسعت جو بانیٔ مذہب کی منشا کے سراسر خلاف تھی۔ عیسائیت وہ حقیقی اخوت کی رُوح اپنے پیروؤں میں پیدا نہیں کر سکی جو ہر قسم کی غیریت اور تفریق قومی کے خیالات کا قلع قمع کر دے۔ بلکہ تفریق قومیت کا مٹانا تو بڑا بھاری مرحلہ تھا۔ دنیوی مرتبہ کی تفریق کو بھی عیسائیت نہیں مٹا سکی۔ اور وہ اخوت کا وسیع خیال جو اسلام نے دُنیا میں آکر پیدا کیا کہ ایک بادشاہ اور فقیر خدا کے حضور دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ گرجا کے اندر اس قدر مساوات انسانی سیمیت پیدا نہیں کر سکی۔ کیونکہ وجاہت اور مرتبہ کی تفریق کا اثر گرجا کے اندر اسی طرح ہے جیسے باہر۔

کامل اور عالمگیر اخوت اور نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالنے کا کام اللہ تعالےٰ نے اس نبی کے لیئے مقدر کر رکھا تھا جس نے سلسلۂ نبوت کو اس کے کمال تک پہنچا کر ختم کرنا تھا۔ اور اسی نبی پر خدا کا وہ کلام اُترا جس نے آخر اس بات کو کھول کر بتا دیا کہ خدا کی سلطنت میں ہر ایک قوم اور رنگ کے لوگ بیٹھے ہیں۔ کتا کوئی نہیں۔ اور وہ دروازہ جس کے ذریعہ سے انسان خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتا ہے وہ سب کے لیئے یکساں کھلا ہے۔ یہی معنے تھے اس آیت کے جس کے متعلق بعض لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے۔ ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصارےٰ

والصابئین من امن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ اور جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی جو کوئی بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے۔ تو ان لوگوں کا اجر ان کے رب کے حضور ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہونگے۔ غرض خاتم النبیین نے خدا کی بادشاہت کا دروازہ سب کے لیئے کھولدیا۔ اور حق بھی یہی تھا کہ جو نبی اپنی اپنی قوموں کے لیئے آتے رہے انکا ساری نسل انسانی سے کیا کام تھا۔ اس کے سامنے ایک قوم اور اسی کی اصلاح تھی اسلیئے ان اصلاحات کے باوجود کل نسل انسانی کی وحدت کو قایم کرنیکا کام اسیطرح باقی چلا آتا تھا۔ ایک ایک قوم کی اصلاح ایک ایک نبی نے کی کل کی اصلاح کا کام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا اور اسلیئے آپ نے مختلف اقوام کے حقیقی تعلقات پر بھی روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ دراصل سارے انسان ایک ہی ہیں بیں طرح

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونسآءً واتقوا اللہ الذی تسآءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیباً (النسآء)

اے لوگو حفاظت کرو اپنے رب کی (حقوق کی) جس نے تم کو ایک ہی جی سے پیدا کیا اور اسی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور حفاظت کرو اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کے (حقوق کی) اللہ تم پر نگہبان ہے۔

کس قدر وسعت نسل انسانی کی یگانگت اور اتحاد کی اس آیت میں پائی جاتی ہے سارے کے سارے انسان عرب ہوں یا عجم مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ خواندہ ہوں یا جاہل۔ امیر ہوں یا غریب سیاہ ہوں یا سپید بڑے ہوں یا چھوٹے سب کے سب ایک ہی اصل سے ہیں ایک ہی جی سے پیدا ہوئے اور سب کے درمیان رشتہ داری کے تعلقات ہیں۔ گویا ساری نسل انسانی اس آیت کے رو سے ایک کنبہ ہے۔ اور اس لیئے ان سب کے ایک دوسرے کے ذمہ حقوق رشتہ داری ہیں۔ اللہ ان سب کا رب یعنی ان کی ربوبیت کرنے والا ہے جو ان کو طرح طرح کے سامانوں سے ادنےٰ حالت سے اعلےٰ حالت کی طرف لیجارہا ہے۔ اور اس عظیم الشان بادشاہ کے حضور یہ انسانوں کے چھوٹے چھوٹے اختلاف قوم کے ہوں یا رنگ کے مرتبہ کے ہوں یا

[illegible]

وجاہت کے۔ دولت کے ہوں یا جتھے کے بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔ یہ اسلام کی عالمگیر اخوت کی بُنیاد ہے جس میں کل کے کل انسان داخل ہیں اور سب کے ایکدُوسرے پر حقوق اور سب کے ایکدُوسرے کے متعلق ذمہ داریاں ہیں جیسے ایک رشتہ دار کے دوسرے رشتہ دار پر اور وہ سب ایک ہی شاہنشاہ کی رعایا اور ایک ہی خالق کی مخلوق ایک ہی ہاتھ سے ان سب کی ربوبیت ہوتی ہے۔

دوسری جگہ یہ بھی بتادیا کہ قوموں اور قبیلوں کے اختلافات کیا ہیں اور اُن کی اصل غرض کیا ہے۔ چونکہ یہ اختلافات بھی دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیئے قرآن کریم نے ان کو بھی لیا ہے اور بتایا ہے کہ اُن کی حقیقی غرض کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر (الحجرات ۱۳) - اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو قومیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دُوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑھ کر عزت والا وہی ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے انسانوں کی اخوت۔ کا اصول یہاں بھی ایک عالمگیر بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ یہاں خطاب مسلمانوں یا الذین امنوا سے نہیں بلکہ کل نسل انسانی سے ہے اور تمام کو ایک ہی لفظ میں مخاطب کر کے ایک حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ تم سب کو ہم نے ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ گویا تم ایک ہی ماں باپ کی نسل ہو اور گو تم جانو یا نہ جانو تم میں وہی تعلق ہے جو ایک ماں باپ کے بیٹوں میں ہوتا ہے۔ یعنی تم سب کے سب بھائی ہو۔ اس سے بڑھ کر اخوت کی عالمگیر بنیاد نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔ پھر فرمایا۔ کہ ہم نے ہی تم کو قومیں اور قبیلے بھی بنایا ہے۔ گویا یہ بھی نسل انسانی کی ترقی کی ایک ضرورت تھی۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے اسے اپنی طرف منسُوب فرمایا ہے۔ لیکن قوموں اور قبیلوں کے امتیازات اس غرض کے لیئے نہ تھے۔ کہ تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ۔ اور ایک دوسرے کی بیخ کنی کے درپے ہو جاؤ۔ بلکہ فرمایا کہ ہماری تم کو قومیں اور قبیلے بنانے سے یہ غرض ہے لتعارفوا تاتم ایک دُوسرے کی معرفت حاصل کرو۔ ایک دوسرے کو پہچانو اور جانو۔ اور میل ملاقات اور ربط کے طریقوں کو بڑھاؤ۔ یہ لفظ تعارف کا قرآن کریم نے کیوں استعمال فرمایا۔ اس لیئے کہ قومی تفریقات اور قومی بغض و عناد کی اصل جڑ اسی تعارف کا نہ ہونا ہے۔ باہم تعارف سے ایک قوم دوسری قوم

کی خوبیوں کو اور بالمقابل اپنے نقصوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اور اس طرح ایک دوسرے کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ لیکن تعارف کے نہ ہونے سے ایک دوسرے سے اجنبیت بڑھتے بڑھتے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک قوم دوسری قوم کی بیخکنی کے درپے ہو جاتی ہے۔ جس طرح افراد میں جب میل ملاقات کے تعلقات زیادہ ہوتے ہیں تو اخوت اور ہمدردی کے خیالات ترقی پاتے ہیں۔ اسی طرح قوموں میں بھی تعارف کے بڑھنے سے ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ چیز جس نے قوم کو قوم کا دشمن بنا رکھا ہے۔ اس کے دور کرنے کی راہ اسلام نے بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے سے تعارف بڑھاؤ +

اس کے بعد اسی آیت کے آخر میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلائی۔ جب ساری نسل انسانی ایک ہوئی اور قوموں اور قبیلوں کے امتیاز بھی ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لئے نہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی فرمایا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم۔ ایک قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے یعنی ان کو حقیر نہ جانے (کیونکہ تمسخر حقارت کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے) شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور اس لیئے قومی بڑائی ایک غلط راہ ہے۔ تو آخر اس وسیع انسانی کنبہ میں ایک کو دوسرے پر بڑائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا تو ضرور ہوگا۔ اس لیئے نسل انسانی کی وحدت اور قومی تفریقات کی غلطی کو بتا کر اب یہ بتایا کہ بڑائی تو وہی ہے جو خدا کی نگاہ میں بڑائی ہو جو سب کا مولیٰ اور مالک ہے۔ ایک کا دوسرے کی نظر میں بڑا ہونا یہ کوئی قابل فخر بات نہیں۔ کیونکہ انسانوں کی بڑائی کے معیار اُن کی نظر کی تنگی کی وجہ سے ادنیٰ ہونے کے علاوہ ایک دوسرے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ مگر جب ساری نسل انسانی ایک کنبہ ہوئی تو ان سب کے لیئے کوئی ایک معیار بھی ہونا چاہیئے جو ایک کی دوسرے پر حقیقی بڑائی بتا سکے۔ وہ معیار یہی ہو سکتا ہے کہ سب کے مالک و خالق کی نگاہ میں بڑا کون ہے اور چھوٹا کون۔ عزت کے قابل کون ہے اور ذلت کے کون۔ اس عظیم الشان شہنشاہ کے حضور رنگوں اور ملکوں کے فرق۔ دولت اور طاقت کو فرق مرتبہ اور وجاہت کے فرق کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ سارے انسانوں کی ساری دولت بھی اس کی سلطنت میں اتنی وقعت نہیں رکھتی جتنی سمندر میں ایک قطرہ کو یا بیابان میں ایک ذرہ ریگ کو حاصل ہے۔ پس جو چیز خدا کی نگاہ میں وقعت نہیں رکھتی وہ خدا کی نگہ میں قابل عزت ہونے کا معیار بھی نہیں ہو سکتی۔

اس لیئے بتایا کہ حقیقی معیار یہ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ خدا کی نگہ میں سب سے زیادہ اکرام اور عزت کے قابل وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

متقی کون ہے وہ جو اپنے آپ کو ہر ایک بری راہ سے بچاتا اور ہر اچھی راہ پر لگاتا ہے۔ جو حفاظت کرتا ہے ان حقوق اللہ کی جو اس کے ذمہ ہیں اور ان حقوق العباد کے جن کا وہ جواب دہ ہے پس تمام مادی اور جسمانی معیاروں کو چھوڑ کر عزت اور بڑائی کا معیار جو قرآن نے پیش کیا ہے وہ اخلاقی معیار ہے۔ اب غور کرو کہ کیسی خوبصورت یہ عالمگیر اخوت کی عمارت ہے۔ جس کی بنیاد نسل انسانی کی یگانگت کی مضبوط چٹان پر ہے۔ جس کے سب حصے ایک دوسرے کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے والے ہیں اور جس کی خوبصورتی وہ شے ہے جس پر کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ اور وہ مادی اشیاء نہیں جو ہر دم معرض تغیر میں ہیں۔ یہ وہ عالمگیر اخوت ہے جو اسلام نے دنیا میں قائم کی۔ اور اسلام کے جھنڈے تلے اس اخوت کا زندہ نمونہ نظر آتا ہے۔ اور گو مسلمانوں کی حالت بہت کچھ قرآن کو چھوڑ دینے سے گر گئی ہے مگر پھر بھی اس اخوت کا جو نظارہ اسلام میں پایا جاتا ہے کسی دوسرے مذہب میں اس کی کوئی مثال ہم نہیں دیکھتے۔

اور یہ کون شخص تھا جس نے ایسی عظیم الشان عمارت اخوت کی بنیاد ڈالی اور اس کو ہر پہلو سے اس طرح سے مکمل کیا۔ اور ہر ایک قسم کی تفریقات کو مٹا کر سب کو فرزندوں میں داخل کیا۔ اور نہ کسی کے لیئے ایسی تحقیر باقی رکھی کہ وہ خدا کی بادشاہت میں کتے سے تشبیہ پائے۔ نہ کسی کو ان فوائد سے محروم رکھا جو اللہ تعالےٰ نے سب کے لیئے یکساں پیدا کیئے ہیں۔ یہ مہذب یورپ کا کوئی انیسویں یا بیسویں صدی کا فلاسفر نہیں۔ گو ان مہذب فلاسفروں نے تو نسل انسانی کی وحدت قائم کرنے کی بجائے اور بھی تفریقات قومی کو جن کو زمانہ مٹاتا چلا جا رہا تھا نمایاں کر دیا ہے۔ بلکہ یہ سارے مہذب ممالک سے کٹے ہوئے ایک ریگستانی ملک عرب کے ناخواندہ لوگوں میں سے ایک امی تھا۔ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا میں گذر چکا ہے۔ جب قومی تفریقات باعث فخر تھیں۔ جب یہودی غیر یہودی کو اور عیسائی غیر عیسائی کو مردود اور ملعون اور ہمیشہ کے جہنم کا وارث ٹھیراتا تھا۔ ہاں یہ انہی عربوں میں سے ایک عرب تھا جو غیر عربوں کو عجم کے نام سے پکار کر ان کی اس طرح تحقیر کرتے تھے کہ وہ گویا گونگے یا فصاحت سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ ان کو حیوانات سے مشابہت دیتے تھے۔ عرب خود

سارے ممالک سے علیحدہ اور بے تعلق ایک کونہ میں پڑا ہوا اس ابتدائی جہالت کی حالت میں چلا آتا تھا۔ اور اس کے مشرق و شمال میں جو قومیں اس کی حد کے ساتھ ملی ہوئی رہتی تھیں اُن سے بھی اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ دوسروں کے تعلقات کو چھوڑو اس ملک کے اندر رہنے والے لوگ جو ایک ہی شخص کی اولاد اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے۔ ان میں اتحاد اور یگانگت کی بو تک نہ تھی۔ بلکہ ایک دوسرے کے دشمن۔ ہر وقت ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے تیار شب و روز ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں مصروف۔ اس ملک میں ان حالات کے اندر ایک عربوں کے اتحاد کو قائم کرنا بھی کسی انسان کے وہم وگمان میں نہ آسکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس سرزمین میں ایک شخص انہی حالات کے اندر کھڑا ہو کر ساری کی ساری نسل انسانی کے اتحاد اور یگانگت کی بنیاد رکھتا۔ کس قدر حوصلہ اور کس قدر ہمت ہے کہ منوانی تو یہ ہے یہ بات کہ ساری قومیں ایک ہی ہیں اور سب عرب ہوں یا عجم۔ کوئی رنگ ہو کوئی مذہب ہو بھائی بھائی ہیں اور پہلے ان لوگوں سے منوانے کا بیڑہ اُٹھاتا ہے جو ایک ہی نسل اور قوم ہو کر دن رات آپس میں کٹ مرتے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو بتاتی ہے کہ یہ عالمگیر اخوت کا پیغام جو ملک عرب میں دیا جاتا ہے وہ ایک انسان کا کام نہیں تھا۔ بلکہ اس قادر مطلق نے جو عجائب سے عجائب کام اپنی قدرت سے کر دکھاتا ہے۔ یہ مقدر کر رکھا تھا کہ یہ عجیب کام ایک اِس قسم کے انسان کے ہاتھ سے کر دکھائے تا لوگ جان لیں کہ اس پیغام کا دینے والا ایک عاجز انسان نہیں بلکہ وہ قادر مطلق خدا ہے جس کے سامنے کوئی بات انہونی نہیں۔ اس سے بڑھ کر معجزہ کیا ہوتا ہے کہ وہ بات جو کسی کے وہم وگمان میں نہ آسکتی تھی ایک شخص کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ اور سب سے پہلے اتحاد نسل انسانی پر ان لوگوں کو قائم کیا جاتا ہے جن میں جب سے تاریخ اُن کے حالات کا کچھ تھوڑا بہت پتہ دیتی ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خلاف ہمیشہ برسر پیکار رہا ہے۔ گویا یہ بتانا مقصود تھا کہ جب ایسے خطرناک حالات میں اتحاد کا بیج سرسبز ہو سکتا ہے۔ تو پھر بہتر حالات کے ماتحت اس کا سرسبز ہونا کیا مشکل ہے ؛

یہ عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ابتدائے دعوے نبوت سے ایسی کسی قسم کی تفریق عرب اور غیر عرب میں نظر نہیں آتی۔ بائبل میں یہ فقرہ بار بار دھرایا

گیا ہے۔ خداوند بنی اسرائیل کا خدا۔ مگر قرآن میں یا حدیث میں یہ لفظ کبھی نہ پاؤ گے کہ بنی اسمٰعیل کا خدا یا عربوں کا خدا۔ بلکہ جہاں پاؤ گے رب العٰلمین یعنی ساری قوموں کا خدا ہی پاؤ گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دعوے کی ابتدا کے ساتھ ہی نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ ایسا ہی جس قدر لوگ ابتدا میں مسلمان ہوئے اُن میں عرب و غیر عرب کی کوئی تفریق نہ تھی حبشی غلام اسی طرح اسلام میں داخل کیئے جاتے تھے جیسے بڑے بڑے عرب سردار اور اسلام میں داخل ہو کر سب امتیازات اٹھ جاتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب یکسان تھے۔ خواہ کوئی عرب کے بڑے سرداروں میں سے ہو۔ اور خواہ ادنے سے ادنے حبشی غلام ہو پس آپ کا پیغام لفظوں میں بھی اور عملاً بھی ابتدا سے ہی سب قوموں کی اصلاح کے لیئے اور قومی تفرقوں کے مٹانے کے لیئے تھا۔ اسی لیئے آپ ایک قوم کے لیئے رحمت بنکر نہیں آئے بلکہ رحمۃ للعالمین ہو کر آئے یعنی ساری قوموں کے لیئے رحمت۔ اسی طرح پہ آپ ایک قوم کو برائی کے نتیجہ سے ڈرانے والے نہ تھے۔ بلکہ ساری قوموں کو جیساکہ فرمایا تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ بابرکت ہے وہ جس نے فرقان کو اپنے بندہ پر اُتارا تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈرانے والا ہو۔ اسی طرح پر آپ ساری قوموں کے لیئے خوش خبری بھی لائے۔ کہ جو نیکی اختیار کرے گا وہ نیک نتیجہ پائے گا۔ وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔ اور ہم نے تجھ کو سب کے سب لوگوں کے لیئے بھیجا۔ تاکہ تو اُن کو خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہو (السبا۔ ۲۸)

اس طرح پر اس عالمگیر اخوت کی بنیاد رکھی گئی جو ایک دن موجودہ تفرقوں اور عداوتوں کو مٹا کر انشاء اللہ تعالے کل قوموں کو اسی طرح بھائی بھائی بنا دے گی۔ جس طرح عرب کے پراگندہ قبیلوں کو کبھی ایک قوم بنا دیا تھا۔

کیا جنگ خدا تعالیٰ کی صفت رحم و محبت کے منافی ہے؟

جنگ نے مختلف دلوں میں مختلف قسموں کے خیالات پیدا کر رکھے ہیں۔ چونکہ یہ آگ ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس لیئے ساری دُنیا ہی اسکے متعلق کچھ نہ کچھ خیالات رکھتی اور اُن کا اظہار کرتی ہے۔ جن لوگوں کے طبائع کا میلان مذہب کی طرف زیادہ ہے وہ کہتے ہیں مادیت کا غلبہ ہے وہ اصل وجہ ہے جو اس ساری خونریزی۔ اس انقلاب عظیم اس مصیبت اس مال و دولت کی تضیع اور ایسے انسانوں کے ضائع ہونے کا موجب ہے جو اگر زندہ رہتے تو دنیا کے لیئے بڑے بڑے کام کر سکتے تھے۔ یونیورسٹیوں کے وہ نوجوان جن کی ذہانت اور محنت کے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں میدان جنگ میں مارے گئے۔ اعلےٰ درجہ کے قابل اور ذہین آدمی اسکی نذر ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جذبات روز بروز تیز ہوتے جا رہے ہیں انسان کو جو عقل اپنی بہتری کے سامانوں کے لیئے دی گئی تھی۔ اس کا استعمال بھی اس لیئے ہو رہا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ہلاکت کا آلہ ایجاد کیا جائے۔ اس لیئے مذہبی آدمی تو یہ کہکر پیچھا چھڑا لیتا ہے کہ شیطان انسان کو گمراہ کر رہا ہے۔ لیکن بہت سے آدمی ہیں بالخصوص مسیحی مذہب کے دائرہ کے اندر جو یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی ہستی بھی موجود ہے جو سراسر محبت ہی محبت ہے۔ جیساکہ عیسائی مذہب کی تعلیم ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یا تو خدا محبت نہیں اور یا وہ قادر نہیں۔ اگر وہ محبت بھی ہوتا اور قادر بھی۔ تو ضرور اس خونریزی کو کسی نہ کسی طرح روک دیتا۔ وہ شیطان کو سمندر میں غرق کر دیتا۔ تاکہ وہ پھر لوگوں کو گمراہ نہ کرے اور ایسی خونریزی دوبارہ نہ ہو۔ یورپ میں بہت لوگ ہیں جنھوں نے خدا کے رحم پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ بوڑھے ماں باپ ہیں جن کا اکلوتا بیٹا گولی کی نذر ہو چکا ہے۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں ہیں جن کے عاشق میدان جنگ میں کام آ چکے ہیں وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔ وفادار بیبیاں ہیں جن کے خاوند اُن کو داغ مفارقت دے گئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے کنبے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ وہ خدا کے رحم پر اعتراض کرتی ہیں۔

بلجیم۔ سرویا مانٹی نیگرو پولینڈ اور فرانس کے بعض اضلاع کے باشندے سخت مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ بادشاہ اپنے تخت اور تاج کھو چکے ہیں۔ کروڑپتی اپنے کروڑ ہا روپے برباد کر چکے ہیں۔ بڑے بڑے نوابوں کے وقار باقی نہیں رہے۔ یہ سب خدا کے رحم پر اعتراض کرتے ہیں اس لیئے اس بات پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیا جنگ یا اسی قسم کی دوسری مصائب کا آنا واقعی خدا کی صفت رحم و محبت کی منافی ہے اور ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ایک مہربان اور قادر خدا پر ایمان لانا محال ہو جاتا ہے۔ چونکہ اب لوگ اس بات کو تو مان نہیں سکتے۔ کہ خونریزی کے بھی کوئی دیوتا ہو سکتے ہیں۔ اور انسانوں کو دکھ پہنچانے والا بھی کوئی خدا ہو سکتا ہے۔ اس لیئے وہ خود خدا کی ہستی پر معترض ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ان حالات کے ہوتے ہوئے اپنی رائے میں خدا کا مہربان ہونا نہیں مان سکتے۔ یہ ایک دلیل ہے جو خدا کی ہستی کے خلاف پیش کی جاتی ہے۔ اور گو یہ دلیل کسی حقیقی نتیجہ پر نہیں پہنچاتی۔ بلکہ ایک عقیدہ کے اوپر بطور ایک اعتراض کے واقع ہوتی ہے۔ اس لیئے ہم اس پر اسی رنگ میں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ آج خدا کے قائلوں اور علم الٰہیات کے ماہرین کے لیئے خدا کی ہستی کے سوال پر بحث کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ کیونکہ سائنس والوں نے خود یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اس عالم میں ایک ایسی چیز ہے جو غیر مخلوق ہے۔ غیر محدود ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہے۔ اس سے پہلے متشککین اسی قدر دلیل خدا کے خلاف پیش کر دینا کافی سمجھا کرتے تھے۔ کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ اب خود ان کے اوپر یہی سوال ہو سکتا ہے کہ مادہ کو کس نے پیدا کیا۔ خدا کی ذات کا واجب الوجود ہونا مادہ کے واجب الوجود ہونے کی نسبت زیادہ صاف امر ہے۔ جبکہ اس عالم کی پیدائش اور اُس کے نظم کو دیکھا جائے تو اس کے لیئے ایک ایسی ہستی کا ماننا جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور نظم کے سارے قوانین بنائے۔ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ یہ مانا جائے کہ مادہ نے خود بخود ہی یہ صورتیں اور یہ صفات حاصل کر لی ہیں ٭

اس مضمون میں صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ جنگ ہمیں مجبور نہیں کرتی۔ کہ ہم خدا کے رحم یا اُس کی طاقت پر حرف رکھیں۔ مذہبی نقطۂ خیال سے موجودہ سوال کو حل کرنے کے لیئے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ اوّل خدا کی ذات اور صفات۔ دوسرے اس عالم کا نظم۔

خدا کی ذات اور صفات کے متعلق جس کو بدھ لوگ اعلےٰ طاقت کے نام سے جو میٹریلسٹ غیر فانی مادہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ خدا کو اعلےٰ طاقت یا غیر فانی مادہ کہنا خدا کی ذات اور صفات کو بہت محدود اور تنگ دایرہ میں لانا ہے۔ جب ہم اس عالم کے رازوں پر غور کرتے ہیں تو ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لیئے مجبور ہوتے ہیں کہ طاقت اور مادہ دونو مل کر بھی اس عالم کو موجودہ شکل میں نہ لاسکتے تھے۔ جب تک کہ کوئی ذی عقل ہستی ان کو کام میں لانے والی نہ مانی جائے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کا نظام ایسے اعلےٰ درجہ کے قوانین اور ایسی ترتیب کے ساتھ کام کر رہا ہے کہ کوئی غیر ذی عقل ہستی خود بخود اس نظام اور ترتیب کو قایم نہیں کر سکتی صرف ایک آنکھ کی بناوٹ کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ علم بصارت کے نہایت ہی لطیف اور اعلےٰ قوانین پر اس کی ساخت ہے۔ اس کے مختلف حصص کچھ روشنی کی شعاعوں کو ایک مرکز پر لا کر ایک تصویر سامنے قائم کر دیتے ہیں۔ اور بعض حصص پھیلی ہوئی روشنی کو روک رکھتے ہیں اور جو روشنی قبول کی جاتی ہے اس کو ایک نظام کے ماتحت لاتے ہیں۔ یقیناً یہ آنکھ بلا کسی مجوز کے خود بخود یونہی نہیں بن گئی۔ پھر زندہ مخلوقات میں جو ایک طاقت یعنی قوت ارادی ہے اور انسان کے اندر جو عقل ہے یا آنکھ کے ذریعہ دیکھنے کے بعد جو ایک احساس پیدا ہوتا ہے یہ غیر مدرک مادہ کی کیفیات نہیں ہوسکتیں۔ جب ایک دوربین یا عکس لینے کا آلہ ایک تصویر کو اپنے اندر لے لیتا ہے تو انکو احساس کوئی نہیں ہوتا۔ وہ دیکھتے نہیں۔ حالانکہ جب آنکھ سے ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔ تو فوراً ایک خاص کیفیت اس سے ہمارے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر خود خالق عالم میں احساس اور قوت ارادی نہیں تو مادہ میں یہ احساس اور قوت ارادی کہاں سے پیدا ہوگئے۔ فطرت انسانی اس روشنی کے زمانہ میں کسی ایسی طاقت یا مادہ کے سامنے سر نہیں جھکا سکتی جو خود اس سے بھی نچلے درجہ پر ہے جس میں نہ ارادہ ہو نہ دیکھنے کی قوت نہ احساس کی طاقت۔ جب انسان عقل و ذہانت کے لحاظ سے بچپن کی حالت میں تھا تو اس وقت تو ہم پرستی کی طرف اس کا میلان زیادہ تھا۔ جو چیز عجیب یا طاقتور نظر آتی تھی۔ وہ اس کی قوت واہمہ پر خاص اثر ڈالتی تھی اور اُسے مرعوب کر دیتی تھی۔ کون جانتا ہے کہ دوسرے حیوانات کی اب بھی یہی حالت ہو۔ کون جانتا ہے کہ وہ انسان کو ہی اس مخلوقات کا سردار نہ جانتے ہوں کچھ وقت کے بعد انسان کو ان اشیاء کے متعلق جو اس کے

گرد و پیش تھیں۔ ان توہم پرستی کے خیالات سے نجات مل گئی۔ مگر جو چیزیں اس سے بہت بعد پر واقع تھیں ان کے متعلق اسی قسم کے خیالات باقی رہ گئے۔ اور اس طرح پر زمینی اشیاء کی پرستش سے قدم آگے بڑھا کر وہ ستارہ پرستی کے مرحلہ پر پہنچا۔ مگر اس اعتقاد نے بھی ایک زیادہ معقول عقیدہ کو جگہ دیدی۔ ستارہ پرستی کا قطعی صفایا آخری مذہب اسلام نے کیا۔ جب ستاروں کی پرستش کی بجائے یہ تعلیم دی کہ یہ ستارے اور سورج اور چاند سب انسان کے لیئے مسخر کیئے گئے ہیں٭۔ اس تعلیم کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ ابتک بھی دنیا نے اس کو پورے طور پر محسوس نہیں کیا۔

بڑے بڑے یورپین پروفیسروں کو بھی ایک قسم کا صدمہ ہوتا ہے۔ جب وہ اسلام کی اس منادی کو سُنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسان اس مخلوقات میں ایک بے حقیقت ذرہ سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کی اپنی ہستی کا انحصار سورج کی گرمی پر ہے۔ پھر وہ سورج کا اپنا خدمت گذار کس طرح کہہ سکتا ہے۔ لیکن عقل انسانی اور سائینس کی تھوڑی سی ادر ترقی کے ساتھ وہ اس آواز کا جو تیرہ سو سال ہوئے اسلام نے بلند کی تھی بہتر مفہوم سمجھنے لگیں گے۔ اب بھی ہم سورج سے

٭۔ قرآن کے یہ الفاظ اس قابل ہیں کہ آب زر سے لکھے جائیں۔ یہ مضمون قرآن کریم نے بہت مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ ہم ناظرین کی ذیل کی آیات کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اللّٰہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھٰر وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم الیل والنھار (ابراہیم ۳۲-۳۳) اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بادل سے پانی اُتارا۔ پھر اُسکے ساتھ پھل نکالے۔ تمہارے لیئے رزق اور تمہارے لیئے کشتیوں کو مسخر کیا جو سمندر میں اس کے حکم کے ساتھ چلتی ہیں۔ اور تمہارے لیئے دریاؤں کو مسخر کیا۔ اور تمہارے لیئے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو اپنے راہ چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لیئے رات اور دن کو مسخر کیا۔ کیا لطیف ترتیب رکھی ہے۔ پہلے فرمایا کشتیوں کو مسخر کیا۔ پھر دریاؤں کو پھر سورج چاند کو۔ پھر رات دن کو۔ ہمیں یہ سمجھایا ہے۔ کہ جس طرح کشتی کو اپنے کام میں لاتے ہو اسی طرح ان تمام چیزوں کو اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ حتیٰ کہ آخر رات دن پر ختم کرکے یہ سمجھایا کہ مکان کیا زمانہ کو بھی تمہارے لیئے مسخر کیا +

یہ کام لیتے ہیں کہ وہ ہمارے لیئے لذیذ پھل اور ہماری غذا کا سامان غلہ پیدا کرتا ہے۔ ایک ذہین ہندوستانی نے ایک چولہا ایجاد کیا ہے۔ جس میں وہ سُورج کی گرمی سے اپنا کھانا پکاتا ہے جب ہم اپنے ہوائی جہازوں کو زیادہ کمال کی حالت پر پُہنچا سکیں گے تو اگر ہم چاہیں تو ہر وقت سورج کے سامنے رہ سکیں گے۔ ہم بادلوں کے پردوں کو پھاڑ ڈالنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ہم گویا سورج کو بھی اپنے اُوپر اگر چاہیں تو غرُوب نہ ہونے دیں گے۔ جب ہم اس کو ایک جگہ غروب کی طرف مائل پائیں گے۔ تو ہم اس کُرہ کے کسی دُوسرے ایسے مقام پر پُہنچ جائیں گے۔ جہاں سورج چڑھ رہا ہوگا اس طرح سورج ہمیشہ ہم پر اپنی روشنی ڈال سکے گا۔ گویا ہم سورج سے زیادہ طاقتور ہیں۔ وہ قوت ارادی نہیں رکھتا۔ وہ ایک مقررہ راہ سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم اگر اس عقل کو جو خدا نے ہمیں دی ہے تکمیل کی حالت کو پُہنچائیں تو ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں چاہیئے کہ سورج ہماری عبادت کرے نہ یہ کہ ہم اُس کی عبادت کریں۔ انسان میں جیسے جیسے عقل کی تدریجی ترقی ہوتی گئی۔ وُہ اپنی طاقت کو محسُوس کرنے لگا جب تجربہ نے اسے سکھایا کہ وہ دُنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ اور دوسری طرف اُس کو اس میں بھی شُبہہ نہ رہا کہ وہ خود بالکل بیکس ہے کہ اُس نے اس دنیا کی کسی چیز کو کبھی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی عقل بھی جس کے ذریعہ وہ مخلُوقات پر حکومت کر سکتا ہے اس کی اپنی نہیں۔ وہ ہوا جس سے وہ سانس لیتا ہے وہ خوراک جو وہ کھاتا ہے۔ وہ پانی جو وہ پیتا ہے یہ تمام چیزیں خود اُس نے اس عالم میں مہیّا نہیں کیں۔ بلکہ اُنکا مہیّا کرنے والا کوئی اور ہے۔ تو ایک طرف جب اُس نے ان بھُوتوں اور دیوتاؤں کے تصرّف سے نجات حاصل کی جو اُس کے لیئے باعث خوف اور عزّت کرنے کے قابل تھے۔ دُوسری طرف اُس نے اپنا سر اس طاقتور ہستی کے سامنے جھکا دیا جو عقل کے مُطابق اور قانون کے ذریعہ سے اس مخلُوقات پر حاکم ہے۔ ہاں جو خود انسان پر بھی حاکم ہے۔

اب اس ہستی کی ذات اور صفات کے متعلق دوسرے مذاہب اور بالخصوص عیسائی مذہب نے اس قسم کے عقائد تجویز کیئے ہیں۔ جو نہ صرف خلاف عقل ہیں۔ بلکہ ایسے حالات میں جیسے مثلاً اب جنگ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ طرح طرح کے شبہات خود ذات باری کی ہستی کے متعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہودیوں کے ہاں گو اللہ تعالےٰ کی صفات حسنہ کا خیال اعلےٰ پایا جاتا ہے۔ لیکن وُہ اپنے

خدا کو قومی خدا سے بڑھ کر خیال نہیں کر سکتے۔ بلکہ اُن کے ذہن میں خدا صرف اسرائیل کا خدا ہی تھا عیسائی ایک انسان خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی طرف جذبات منسوب کرتے ہیں اور انکا عقیدہ ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ بعض لوگ دُنیا میں اس خیال کے بھی گذرے ہیں۔ جو کہتے تھے کہ خدا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ پھر عیسائیوں کے نزدیک خدا "محبّت" ہے وہ اسکو باپ کے نام سے پکارتے ہیں۔ مگر وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں۔ کہ سوسائیٹی میں ان صفات کے باپ کو پسند نہیں کیا جاتا جو وہ "خدا باپ" کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے ایسا باپ سمجھتے ہیں جو اپنے بچوں کی ہر ایک خواہش کو بغیر کسی روک ٹوک کے پورا کرتا جائے۔ جب عیسائی خدا کو "محبت" کہتے ہیں تو ان کا منشاء یہ خیال ظاہر کرنے کا ہوتا ہے کہ وہ ایسا محبّت کرنیوالا ہے۔ کہ اُس کی محبت نے یہ تقاضا کیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کردے مگر یہ پسند نہ کیا کہ انسان ان بدیوں کے بدنتائج کو پائیں جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اِس اعتقاد کی وجہ سے اُن کو یہ مُصیبت پیش آتی ہے۔ کہ جب وُہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں آدمی ایک دُوسرے کو ذبح کر رہے ہیں۔ گھروں کے گھر اور ملکوں کے ملک ویران اور بے آباد ہوئے جا رہے ہیں تو وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ خدا محبّت کرنیوالا نہیں۔ اور یہ اعتراض جو اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے ان کے عقاید کے رُو سے درست ہی کیونکہ جب اُن کا مذہب اُن کو یہ سکھاتا ہے کہ خدا ایسا محبّت کرنے والا ہے کہ اُس نے خود اپنی ذات پر دُکھ برداشت کرنے کو اس بات پر ترجیح دی کہ انسانوں کو کسی قسم کا دکھ پہنچے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اب خدا اس محبّت کا اظہار کیوں نہیں کرتا۔ اب تو اس کو یہ ضرورت بھی نہیں۔ کہ اپنے اوپر کوئی دُکھ اور مصیبت لے۔ وُہ اپنی طاقت سے کام لے کر ساری خونریزی اور تباہی کا ایک آن میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ پھر وُہ کیوں اپنی طاقت کو نہیں برتتا یا واقعی اُس میں محبت نہیں اور یا اُسے طاقت نہیں کہ اِس خونریزی کا خاتمہ کرے۔

اس قسم کے تمام غلط خیالات کا ازالہ اسلام نے اس طرح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا صحیح نقشہ انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اِس قسم کی تمام باتوں کو خدا کی ذات پاک کیطرف منسُوب کرنے سے انکار کیا ہے جن سے خدا کی عظمت و جلال میں نقص نظر آئے۔ تکان کا محسوس کرنا یا آرام چاہنا۔ دُکھ کا برداشت کرنا وہ جذبات جو انسان کے سلسلہ توالد و تناسل میں کام

کرتے ہیں۔ یعنی خدا کی طرف بیٹے یا بیٹی کا منسوب کرنا یا اور انسانی جذبات کا اس میں پایا جانا۔ ان سب باتوں کا انکار کیا ہے۔ خدا کی صفات کے متعلق اسلام کی تعلیم کا بنیادی پتھر لیس کمثلہ شیٔ ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ اس کی مثل جیسی بھی کوئی چیز نہیں گویا وہ تمام خیالات اور جذبات انسانی سے اس قدر اعلےٰ اور ارفع ہستی ہے کہ دنیا کی کوئی چیز نہ صرف اس جیسی ہی نہیں بلکہ اس کی مثل جیسی بھی نہیں۔ اس لیئے جب ہم کہتے ہیں کہ خدا سنتا ہے دیکھتا ہے علم رکھتا ہے ارادہ رکھتا ہے۔ محبت کرتا ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے بھی ہماری مثل حواس ہیں جن سے اس کو یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ حیّ یعنی زندہ ہے تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ وہ ہماری طرح سانس لیتا ہے یا ہماری طرح ہوا کا محتاج ہے یا کہ اس کا کوئی دل ہے جو حرکت کرتا ہے یا اس کے اندر دورانِ خون ہوتا ہے پس جب کوئی شے اس کی مثل جیسی بھی نہیں تو تمام صفات جو ہم اس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اپنا ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں۔ اگر ہم اس کو باپ کہیں تو محض ان معنوں میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارا خالق ہے اسی نے ہم کو وجود بخشا اور ہمیں ہستی میں لایا۔ لیکن ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم یا کوئی اور سچ مچ اس کا بیٹا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ وہ محبت کرتا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں ہوتے۔ کہ وہ سچ مچ ہم پر فریفتہ ہو رہا ہے۔ یا کہ وہ ہماری خاطر اپنے اوپر دُکھ اور تکلیف اٹھانے کے لیئے تیار ہے۔ اسلام میں خدا تعالےٰ کے اسمائے حسنےٰ میں سے ایک صفاتی نام ایسا خوبصورت ہے کہ دوسری کسی زبان میں کوئی ایک لفظ اس مفہوم کو ادا کرنے والا موجود نہیں۔ اس نام کا مفہوم ”محبت“ سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسلام خدا کو الرحمٰن کہتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ خدا کی محبت اور رحم اس قدر وسیع ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کے لیئے قبل اس کے کہ وہ مخلوق عالم ہستی میں آئے۔ ہر قسم کی ضروریات کو پہلے سے ہی مہیا کر دیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو بہتر تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سارے نام امتیازی ہوتے جیسا کہ عربی زبان میں دو نام اللہ اور رحمٰن ہیں کہ وہ کسی دوسرے پر بولے نہیں جاتے +

لیکن انسان کی قوت بیانی محدود ہے۔ اس لیئے وہ مجبوراً وہی لفظ خدا کی صفات کے اظہار کے لیئے بولتا ہے جن کا استعمال وہ اپنی صفات کے لیئے کرتا ہے۔ خدا کی ذات اور صفات

کے متعلق اسلام کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ بہتر سے بہتر اور اعلےٰ سے اعلےٰ صفات جو انسان قیاس میں لا سکتا ہے۔ وہ خدا میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس خیال کا اظہار قرآن کریم میں ان الفاظ کیا گیا ہے۔ لہ الاسماء الحسنیٰ۔ یعنی اس کے وُہ اسماء ہیں جن کے اندر اعلےٰ سے اعلےٰ حسن موجود ہے وہ رحیم یا رحم کرنے والا۔ ودود یا محبت کرنے والا۔ رؤف یا مہربانی کرنے والا بھی ہے۔ مگر وہ حکیم اور قدیر بھی ہے۔ اور وہ انصاف بھی فرماتا ہے۔ اس لیئے اگر ہم اس کی صفات کے تقاضا کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے اوپر محبت کا اظہار کرے تو ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ صفت رحمیت کا اظہار کسی دوسری صفتِ الہیٰ کو باطل کر کے نہیں ہو سکتا یا محبت اس کے انصاف اس کی حکمت اس کی طاقت کے خلاف نہیں ہو گی۔ اگر ہم اس کے قوانین پر عمل نہیں کرتے تو اس خلاف ورزی کی سزا بھی اس کے صفات کے تقاضا میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جب دُعاء کرتا ہے تو وہ یہ دُعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یہ طاقت دے کہ وہ سیدھی راہ پر چلے۔ اور اُس کو یہ سمجھ حاصل ہو کہ وُہ غلط راہ سے بچ سکے۔ اس عالم میں جو چیز قانون کو توڑتی ہے وہ خلاف ورزی قانون کی سزا بھی ضرور پاتی ہے اور بسا اوقات وہ سزا اسی مالک کی پُوری طاقت کے ساتھ انسان کے سر پر آ رہتی ہے۔ اس لیئے خدا کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وُہ قہار ہے اور یہ بھی کہ وہ جبار ہے لیکن ان صفات کے متعلق یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بعض صفات ایسی ہیں کہ انسان کے اندر جب ان کا ہونا بیان کیا جاتا ہے تو وُہ اچھی معلوم نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا میں انہی صفات کا بیان کیا جانا ایک خوبی رکھتا ہے۔ انسان ہو یا کوئی دوسری مخلوق۔ خدا کے رحم پر اسکا حق بطور دعوے قائم نہیں۔ ہم عالم ہستی میں آنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے۔ خدا نے ہر چیز اپنے ارادہ سے اپنی مرضی کے مطابق پیدا کی نہ ایک چیونٹی کو یہ حق ہے کہ وُہ سوال کرے کہ اُسے ہاتھی کیوں نہیں بنایا گیا اور نہ ہی ایک معمولی بندر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہے کہ مجھے اس کمال کی صورت تک کیوں نہیں پہنچایا گیا۔ جہاں تک ڈارون کے خیال کے مطابق ایک دوسری قسم کا بندر پہنچ چکا ہے۔ یا خالق یا رب کا ارادہ ہے کہ ایک مخلوق اس کی بندر ہونے کی حالت تک پہنچی ہے اور دُوسرے اُس کی ربوبیت کے ماتحت انسان کی حالت

تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسی طرح پر جب ایک چیز اپنے مادی وجود کو کھو دیتی ہے یا بالفاظ دیگر جب موت اس پر وارد ہو جاتی ہے تو اس سے خدا کے رحم پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ جب ایک باغبان ان پودوں کو جو اُس نے خود لگائے تھے جڑ سے اکھیڑ پھینکتا ہے یا کاٹ ڈالتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اب ان کا کوئی فائدہ نہیں دیکھتا یا اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس غرض کے لیئے اس نے انھیں لگایا تھا اُس غرض کو اُنھوں نے پورا نہیں کیا۔ اس لیئے اِس عالم کا خالق اور بنانے والا خوب جانتا ہے کہ کون انسان یا کون قوم اس قابل ہے کہ اسے بڑھایا جائے اور اس کی تربیت کی جائے۔ اور کون اس لائق ہے کہ اُسے دنیا سے مٹایا جائے یا کم کیا جائے۔ جس شخص کو یا جن لوگوں کو دُنیا سے نابود کیا جاتا ہے اُن کا یہ حق نہیں کہ وہ شکایت کریں کہ ہماری زندگیوں کو لمبا کیوں نہیں کیا جاتا۔ ٹھیک جیسا کہ ان پودوں کو جن کو ایک باغبان کاٹ ڈالتا ہے۔ یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شکایت کریں کہ انھیں کیوں کاٹا جاتا ہے۔ بعض وقت باغبان بعض پودوں کو اِس لیئے نکال دیتا ہے۔ تاکہ باغ کی حالت بحیثیت مجموعی بہتر ہو جائے۔ اِسی طرح پر خدا تعالےٰ بعض وقت ایک قوم کو اس لیئے تباہ کرتا ہے کہ تا عام دُنیا کی حالت بہتر ہو جائے۔ بظاہر یہ فعل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ظالمانہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقتًا وہ رحم اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

اب دوسرے سوال کو تو یعنی اس عالم مخلوقات کے نظم کو۔ سائنس دان اور علم الٰہیات کے ماہر دونوں یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ نظم مقررہ اصول پر ہے۔ خواہ وہ مختلف چیزیں جن کا وجود ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں علیحدہ علیحدہ پیدا کی گئی ہیں اور خواہ وہ ایک ہی حالت سے ترقی کر کے مختلف مدارج کمال پر پہنچ کر مختلف ہو گئی ہیں۔ اس میں کسی کو شک نہیں کہ اس عالم کا نظم ان قوانین معینہ پر ہے جو ایک بال بھر بھی ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ایک حکیم خالق اور موجد نے نہ صرف اس عالم کو اعلےٰ درجہ کے اصولوں کے مطابق ایجاد اور خلق کیا ہے۔ بلکہ وُہ اس پر حکومت بھی حکمت اور قانون کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم کو ہر صورت میں وہ قانون جو کام کر رہا ہے سمجھ آئے یا نہ آئے۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام واقعات جن کا ظہور اس عالم میں ہو رہا ہے کسی قانون سے وابستہ ہیں *

وہ کاریگر جو ایک ایسی کل بنائے جس کا آج ایک پرزہ درست کرنے کی ضرورت ہے تو کل دوسرا اسے کوئی کاریگر نہیں کہتا۔ پس بصیر و قدیر صانع عالم نے اس عالم کی خلق اور ایجاد میں اس قسم کے نقص باقی نہیں چھوڑے۔ کہ آئے دن اس کے پرزوں کو درست کرنے کی ضرورت پیش آتی رہے۔ جو کچھ طاقت اس عالم کے کسی جزو میں ہے۔ جو کچھ تدریجی ترقی اور کمال یہ حاصل کر سکتا ہے ان سب کو اس نے مدِ نظر رکھا ہے۔ پس سورج گردش کرتا ہے۔ چاند ایک خاص راہ پر چلتا ہے زمین گھومتی ہے۔ گرمی کے ذریعہ سے سبزیوں کی تقسیم اور اُن کا پیدا کرنا عمل میں لایا جاتا ہے۔ سبزیاں اور گھاس بھیڑوں کے لیئے چارہ مہیا کرتی ہیں۔ بھیڑ خود انسان کے جسم کو نشو و نما دینے میں کام آتی ہے۔ صناع عالم نے اس تمام نظم میں کوئی ایسا نقص باقی نہیں چھوڑا جو اس کو خود پھر بار بار مداخلت کی ضرورت پیش آتی رہے۔ کیونکہ اس کی قوت ایجاد و خلق نہایت درجہ کی کامل ہے۔ اس لیئے وہ قوانین اور اصول جن پر اس سارے عالم کا دارو مدار ہے خدا کو یہ ضرورت نہیں کہ موسموں کے تغیر و تبدل کا انتظام کرتا رہا کرے۔ اُس نے زمین کو سورج کے سامنے ایک خاص حالت میں رکھا ہے۔ جس سے ہمارے موسموں کا تغیر و تبدل پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ہر چیز ایک مقررہ قانون پر کام کرتی ہے۔ خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی ان قوانین کو روک نہیں سکتی انسان بھی اسی طرح ان کے ماتحت ہے جس طرح دوسری مخلوقات[*]۔

[*] قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان قوانین کی طرف جن کے ماتحت نظام عالم کام کر رہا ہے بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور سورہ ملک کی ابتدا میں نہایت وضاحت سے اس بات کو بیان فرمایا ہے ما تری فی خلق الرحمٰن من تفوت فارجع البصر ھل تری من فطور یعنی رحمٰن کی مخلوقات میں جو قوانین کام کر رہے ہیں ان میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ جتنا زیادہ غور انسان کرے گا۔ اُسی قدر زیادہ صفائی سے اس بات کو دیکھ لے گا کہ اس کے قوانین میں کون نقص ایسا نہیں کہ ایک جگہ قانون کام کر رہا ہو۔ تفاوت کے نہ ہونے سے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی رنگ کے قوانین کام میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا درحقیقت ایک ہی قانون سارے عالم میں کام کر رہا ہے اور فطور کے نہ ہونے سے منشاء یہ ہے کہ قوانین کے عمل میں کوئی اختلال واقع نہیں ہوتا۔ کہ بعض جگہ تو قانون عمل کرکے ایک نتیجہ پر پہنچا دے اور بعینہٖ انہی حالات کے ماتحت دوسری جگہ عمل کرکے اس نتیجہ پر نہ پہنچائے۔ اس لیئے یہاں بار بار زور دیا ہے کہ پھر دیکھو اور پھر غور کرو۔ کیونکہ قانون کے عمل کو دیکھنے کے لیئے بہت غور اور وسیع نظر بکار ہے۔

انسان اس وسیع مخلوقات کے اندر کیا حیثیت رکھتا ہے وہ ایک تل کے برابر ہے بلکہ اتنا بھی نہیں پھر انسان کو کیا حق ہے کہ اگر کسی وقت دنیا اس کے منشار کے مطابق نہ چل رہی ہو تو وہ شکایت کرے۔ ڈریپر نے خوب کہا ہے۔

"مگر اس طرح اصولی قوانین تک پہنچ جانے میں اور اس عالم کے نظام میں ان کے لاتبدیل محیط اور سب سے فائق ہونے کو مان لینے میں انسان کے ازلائے فعل کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ تمام چیزوں کی ظاہری صورت کا اظہار اس نقطۂ خیال میں ہے جس سے ہم ان کو دیکھتے ہیں۔ جو شخص ایک کھچا کھچ بھرے ہوئے شہر کے اشغال میں منہمک ہے۔ وہ سوائے انسانوں کی مخلوق کے اور کچھ نہیں دیکھتا۔ اور اگر اس نے اپنے ہی تجربہ سے رائے لگائی ہو تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ تمام عالم کے رخ کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے جو کبھی ایک پہلو بدلتی ہے اور کبھی دوسرا۔ لیکن جو شخص ذرا بلندی کے مقام سے نظر ڈالے گا۔ روزمرّہ کے جھگڑے اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں آئیں گے اور نہ انسانوں کی باہمی مباحثات اس کے کانوں تک پہنچیں گے وہ دیکھ لیگا کہ جوں جوں وہ اوپر چڑھتا جاتا ہے اور اس طرح اس کی آنکھ کے نیچے کا منظر وسیع ہوتا جاتا ہے ساتھ ہی انسان کے انفرادی کاموں کی وقعت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور اگر وہ صحیح فلسفیانہ یعنی عام نقطۂ خیال پر پہنچ جائے اور اپنے آپ کو سارے زمینی اثروں اور پیچیدگیوں سے الگ کرے اور اس قدر بلند ہو جائے کہ اس سارے کرۂ زمینی پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال سکے تو اس کی تیز سے تیز نگاہ بھی انسان اور اس کی آزادی خیال اور اس کے افعال کا اثر نہ دیکھ سکے گی۔ زمین کی اس تیز رفتاری میں جسے کوئی چیز روک نہیں سکتی اس کی شب و روز کی کلیۃً بات کی باقاعدگی میں اس کے برّاعظموں اور سمندروں کی خوبصورتی میں جسے ہر نگہ پہچان سکتی ہے اور جن میں اب کسی قسم کی تاریکی نہیں بلکہ روشن سیاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ سے یہ سوال کرے گا کہ ان تمام تمناؤں امیدوں اور تفکرات کا۔ اور زندگی راحت و غم کا کیا حشر ہوا؟ جیسا کہ وہ کام جن کا انحصار انسان کی مرضی پر ہے اس کی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوتے جائیں گے اور وہ امور اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتے جائینگے جن پر انسان کا تصرّف نہیں اور ہر لحظہ زیادہ روشنی پیدا ہوتی جائے گی۔ وہ خود اپنے ہی

تجربہ کی صحت پر شک کرنے لگے گا اور اس کے دل میں یہ سوال اُٹھے گا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وُہ مقام جو اس قدر لازوال شان و شوکت کی جگہ ہے۔ وہیں اس قدر انسانی بے ثباتیاں بھی موجود ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک حرکت کرنے والے عالم کے وسیع طاقتور اور لاتبدیل طریق میں کچھ انسانی کمزوری اور ناتوانی بھی چھپی ہوئی اپنا کام کر رہی ہے۔ غور کرو کہ صرف نقطۂ خیال تبدیل ہوا ہے۔ مگر اس سے کس قدر انقلاب ہمارے خیال میں پیدا ہو گیا ہے۔ ایک ہندو فلاسفر نے سچ کہا ہے کہ جو شخص دریا کے کنارے کھڑا اس کے بہاؤ کے منظر کو دیکھ رہا ہے وہ اس کی تمام لہروں کو یکے بعد دیگرے آگے گذرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ لیکن جو شخص ایک مرتفع مکان سے اس نظارہ کو دیکھے گا اُسے وسیع میدانوں کے اندر صرف ایک بے حرکت سفید چمکتا ہوا دھاگا نظر آئے گا۔ ایک کی نظر میں انسان کا وہ بڑھتا ہوا علم اور تجربہ ہے جو کہ رفتار زمانہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ دوسرے کی نظر میں خدا کا فوری اور اجتماعی علم ہے"۔

اب جب ہم نے خدا کی ذات و صفات کا اور اس عالم میں واقعات کے کام کرنے کا کچھ علم حاصل کر لیا ہے۔ تو ہم یہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ جنگ یا اس قسم کے دُوسرے وسیع مصائب انسانی سے خدا کی ہستی یا خدا کے رحم پر کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جس قسم کا خدا عیسائی مذہب پیش کرتا ہے۔ جس کو وہ باپ کہتے اور صرف محبت ہی محبت بتاتے ہیں وہ عقیدہ واقعات کے رُو کے سامنے قایم نہیں رہ سکتا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ انسان کو یہ کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ واقعات عالم کے اختیار صرف اسی کی بہتری کیلئے ہونی چاہیئے یا اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہونا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خدا نے محض اپنے رحم سے انسان کو چن لیا کہ وہ اسے اشرف المخلوقات بنائے۔ یہاں تک کہ وُہ سورج جیسی عظیم الشان چیز کو بھی اپنے کام میں لا سکے اور اپنے مطلب کے موافق اس سے کام لے سکے۔ ایک بہت ہی حقیر سی ہستی کو اُس نے محض اپنے رحم سے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ یقیناً انسان کو اس مرتبہ تک پہنچنے میں خود کوئی اختیار نہ تھا۔ اور نہ اپنی مرضی سے یہ مقام اُس کو حاصل ہوا۔ بلکہ محض خدا کے رحم نے اس کو اس مقام تک پہنچایا

جو دماغی اور ذہنی قوائے انسان کو دیئے گئے نہ وہ ہاتھی کو دیئے گئے اور نہ کسی دوسری بڑی سے بڑی زمینی مخلوق کو۔ یہ انسان کے جسم کا بنیادی چھوٹا سا قالب ہے جس میں اس قدر طاقت رکھ دی گئی ہے کہ وہ آہستہ اور باقاعدہ خاص اصُول کے اوپر چل کر ترقی کرتا کرتا ایک ایسے مکمل انسان کی صورت اختیار کرے جو بلند پروازی کرتا ہوُا آسمان تک بھی پُہنچ سکے۔ اسکے علاوہ اس دُنیا کے نظام حیات حیوانی میں ہم کیا دیکھتے ہیں۔ یہ کہ زندگی کے لیئے ایک مسلسل جدوجہد جاری ہے ایک مخلوق کی موت پر دوسرے کی زندگی کا انحصار ہے۔ جب ہم گوشت کھاتے ہیں یا گوبھی کھاتے ہیں ہم یقیناً ایک زندگی کو مٹاتے ہیں۔ کیا ایک بھیڑ جب ہم اسے اپنے کھانے کے لیئے ذبح کرتے ہیں۔ خدا کے رحم کے خلاف اعتراض نہیں کرسکتی کہ اُس نے ہمیں کیوں اس کے مارنے کی اجازت دی ہے؟ کیا ایک سبز گھاس کا پودہ اسی طرح پر اعتراض نہیں کرسکتا کہ کیوں اُس نے بھیڑ کو اسے کھا جانے کی اجازت دی ہے؟ اگر ایک بھیڑ یا ایک گھاس کا تنکا اعتراض نہیں کرسکتا تو ہم کیونکر اعتراض کرسکتے ہیں۔ اگر ہم میں سے ایک دوسرے کو مار ڈالتا ہے یا ایک شیر ہم کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتا ہے۔

میری رائے میں تو یہ اصول کہ ایک کی موت سے دوسرے کی زندگی بنتی ہے۔ ہمارے دل پر خدا کے رحم کا گہرا اثر ڈالتا ہے۔ یہ اس تمام مخلوقات کو جس میں زندگی ہے اور جس میں ہم بھی شامل ہیں یہ بتاتا ہے کہ ہماری زندگی نہ اپنی کوشش سے بلکہ محض خدا کے فضل سے ہے۔ انسان کی مثال کو لو۔ باوجود اپنے ذہنی قوائے کے باوجود اپنی طبی ایجادات کے وہ زمینی مخلوقات میں سے سب سے لمبی عمر والا نہیں ہے۔ پھر وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنی زندگی کا یقین کامل نہیں رکھ سکتا۔ ایران کی اس قابل عزت شاعر شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ جب وہ سانس لے خدا کا دو دفعہ شکریہ ادا کرے۔ کیونکہ جب وہ اپنے سانس سے ہوا خارج کرتا ہے تو وہ ایک ایسی زہر باہر نکال پھینکتا ہے۔ جو اگر نہ نکالی جاتی تو اسے ہلاک کردیتی اور جب وہ سانس کے ذریعہ سے ہوا اندر لیجاتا ہے۔ تو زندگی بخش آکسیجن لے جاتا ہے۔ غور کرو کہ کس طرح تمہاری زندگی کا ہر لمحہ ہلاکت کو پہنچانے والے واقعات کے امکان سے پُر ہے تو پھر تم کو سمجھ آئے گا۔ کہ ہم صرف خدا کے رحم سے ہی

زندگی بسر کر رہے ہیں +

اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک حد تک آزادی فعل بھی دی ہے۔ تم اپنی قسمت کو اچھا یا بُرا بنا سکتے ہو۔ خدا کی کتاب ارشاد الٰہی ہمیں یوں پہنچاتی ہے۔ وکل انسان الزمنٰه طائرہ فی عنقه ونخرج له یوم القیمة کتابا یلقاه منشورا ○ اقرأ کتابك کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا ○ من اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها ولا تزر وازرة وزر اخری وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنی اسرائیل ۱۴-۱۵)

اور ہر ایک انسان کے عمل نامہ کو ہم نے اُس کی گردن کے ساتھ لگا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے لیئے ایک ایسی کتاب نکال لائیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ اپنی کتاب کو پڑھو۔ آج تیرا اپنا نفس ہی تیرے محاسبہ کے لیئے کافی ہے۔ جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کے لیئے ہی سیدھی راہ پر چلتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے اُسکا وبال بھی اس کی اپنی جان پر ہی ہوگا۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کہ پہلے رسُول مبعوث نہ کرلیں +

اگر ہم ایک دوسرے کو مارنے کی ہی ٹھان لیں اور سرسبز ملکوں کو تباہ کرنے پر تُل جائیں تو اس کے لیئے خدا کو الزام کیوں دیا جائے۔ خدا نے یہ زمین اس قدر وسیع بنائی ہے کہ سب انسان آرام سے اس پر گذارہ کرسکتے ہیں۔ اگر اُن کا منشا آرام سے رہنے کا ہو اور اگر انسان کے لالچ اور طمع کی کوئی حد بندی ہو۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ضرور ہے کہ اس کی سزا پائیں۔ خدا تو اپنی سب مخلوق پر یکساں مہربان اور رحم کرنے والا ہے لیکن جو شخص دوسرے کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے وہ ضرور ہے کہ اُس کی سزا پائے۔ اس صُورت میں یہ سزا بھی خدا کے رحم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ موجودہ جنگ جس نے ساری دنیا میں آگ لگا دی ہے وہ خود کسی بات کا نتیجہ ہے؟ انسانوں کے اپنے جذبات اور اعمال کا نہ کسی اور چیز کا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی مصیبت انسان پر نہیں آتی۔ مگر کسی نہ کسی رنگ میں اس کے اپنے ہاتھ ہی اس کو پیدا کرتے ہیں۔ اس سے خدا کے رحم اور محبت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ وہ رحیم اور مہربان ہے۔ وہ

بدی کو پسند نہیں کرتا۔ بدی صرف ان طاقتوں اور قوتوں کے بُرے استعمال کا نام ہے جو ہمکو دی گئی ہیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ سب انسان بھائی بھائی بن کر رہیں۔ ایک دُوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد بنے رہیں۔ اس نے ہم کو قوائے عقلی اور ذہنی اس لیئے دیئے تھے کہ ان کو ہم ایکدوسرے کی ہمدردی کے لیئے کام میں لائیں۔ لیکن انسان انہی قوائے کو اپنے ہی بنی نوع کی بربادی کیلیئے استعمال کرتا ہے۔ اور اس طرح خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وُہ یہ نہیں چاہتا کہ دُوسرے بھی آرام سے رہیں بلکہ اپنی طاقت کا سب کو وسیع کرنا چاہتا ہے۔ اس کشمکش میں اس جدوجہد میں ضروری ہے کہ انسانوں پر تباہی بھی آئے۔ یہ تباہی بھی اس لیئے نہیں کہ خدا تعالےٰ انتقام لینا چاہتا ہے بلکہ اس لیئے کہ بدی اور ظلم دُنیا سے مٹ جائیں ....

یقیناً اللہ قادر مطلق ہے۔ جب ہم اپنے لیئے آزادی فعل کے اختیارات چاہتے ہیں تو ہم یہ کس طرح انکار کر سکتے ہیں کہ خدا کو پوری قدرت حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس مخلوقات کی ساری ہیئت کو بدل دے وہ اگر چاہے تو ایک لمحہ میں ساری تباہی اور بربادی کو جو سوقت دُنیا پر ہو رہی ہے روک دے۔ لیکن وہ ایسا کیوں کرے۔ وُہ جانتا ہے کہ ہماری آزادی فعل پہلے بھی بہت سی حدبندیوں کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ کیا پھر وُہ اسے بالکل ہی اڑا دے۔ کیا ہم اسے پسند کر سکتے ہیں۔ کیا ہم میں سے کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اپنی طاقت اور قوت کو اچھی یا بُری جگہ لگانے کا جو اختیار حاصل ہے وہ اس سے چھین لیا جائے۔ کیا خدا کی اس سب سے بڑی نعمت کو ہم کھو دینا پسند کرتے ہیں۔ یہ ہماری آزادی فعل کا ہی نتیجہ ہے کہ ساری مخلوق پر ہم حکمرانی کر رہے ہیں اور سورج تک کو اپنے کام میں لا رہے ہیں۔ اس لیئے اگر ہم سے یہی چھین لی جائے تو کون کہے گا کہ یہ خدا کے رحم کا ظہور ہے۔ میں اپنے لیئے کہہ سکتا ہوں کہ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ مجھے آزادی فعل حاصل رہے۔ خواہ کبھی کبھی اس کے غلط استعمال کے لیئے مجھے اس کی سزا بھی اُٹھانی پڑے بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے یہ چھین لی جائے۔ اور مجھے یہ کہا جائے کہ اب تمکو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی سزا نہیں دیجائے گی۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم کو جو سزا ملتی ہے وہ بھی خدا کے رحم کا ہی نتیجہ ہے۔ جب آپ بستر مرگ پر تھے تو آپ نے فرمایا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلعم) کی جان ہے کسی مومن پر کوئی مصیبت یا

بیماری نہیں آتی۔ مگر یکہ اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں کے پتے +

خود اس جنگ کے متعلق بھی ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نری مصیبت ہی مصیبت نہیں۔ ایک انگریز نے کہا ہے کہ ان جزائر یعنی برطانیہ کلاں میں کوئی عورت یا مرد ایسا نہیں جو اس جنگ کی وجہ سے اپنے اندر ایک اچھی تبدیلی نہیں پاتا۔ اس کا خیال ہے کہ ساری آبادی اس آگ کی وجہ سے ہر قسم کی آلائش سے صاف ہو کر نکلے گی +

. . . .

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اس ہولناک مصیبت کے بعد خدا کے رحم سے ایسا ہو کہ یورپ پہلے سے اچھی حالت میں نکلے اور دوسرے لوگ بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ خدا کرے کہ آئیندہ تہذیب کی بنیاد مادیت پر نہ ہو بلکہ مذہبی اور اخلاقی اصول پر ہو تاکہ وہ مضبوط عہدنامے جو قوموں اور قوموں کے درمیان یا حاکم و محکوم کے درمیان ہوتے ہیں۔ آئیندہ اُن کی عزت کی جائے۔ ایسا ہو کہ آئیندہ کمزور قومیں محض اپنی کمزوری کی وجہ سے طاقتور قوموں کے پاؤں تلے نہ روندے جائیں۔ کہ ایک کی دولت اور زمین پر دوسرے کے دندان طمع تیز نہ ہوں . . . . کہ ایک عام اخوت ایک انسان اور دوسرے انسان میں۔ ایک قوم اور دوسری قوم میں قایم ہو جائے۔ جو اگر جنگ کو ہمیشہ کے لیئے ختم نہ کر دے تو کم از کم آئیندہ اس میں اس قسم کے مظالم اور وحشیانہ پن پیدا نہ ہونے دے جیسا کہ موجودہ جنگ میں ہوا ہے یہ مہیب جنگ انسانوں کے اختیار سے بالکل باہر چلی گئی ہے۔ آؤ ہم سب دُعا کریں۔ کہ اس سے ایک ایسی صلح پیدا ہو جو ہمیشہ کے لیئے رہے خواہ وہ ایک سال میں آئے یا دس سال میں۔ اور یہ کہ خدا اپنے رحم سے ہماری زیادتیوں سے درگذر فرمائے۔ اور ہمیں صراط مستقیم پر چلائے تاکہ آئیندہ نسلوں کے لیئے ہم اپنے پیچھے اقبال اور اتفاق کو چھوڑیں۔

(قدوائی)

سب نبیوں کا موعود رسولؐ

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ

جیساکہ قرآن کریم نے بار بار ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر ایک قوم میں اور ہر ایک امت میں ایک رسول مبعوث کیا۔ یا بعض قوموں میں ایک سے زیادہ رسول بھی مبعوث کیئے۔ لیکن اسمیں شک نہیں کہ یہ جس قدر رسول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آتے رہے۔ یہ سب خاص خاص قوموں کی طرف آتے رہے۔ کل دُنیا کی طرف مبعوث ہونا یہ صرف ایک ہی رسول کے لیئے مخصوص رکھا گیا۔ جو سب سے آخر اور سب کو ایک دین پر جمع کرنے کے لیئے آیا۔ تو چونکہ اس رسُول نے ساری قوموں کو ایک دین پر جمع کرنا تھا۔ اس لیئے اللہ تعالےٰ نے ساری قوموں سے بذریعہ اُن کے نبیوں کے یہ عہد لیا کہ جب وُہ رسول آجائے تو تم سب نے اس کے دین پر چلنا ہوگا۔ کیونکہ اصل غرض یہی تھی کہ نسل انسانی کے اندر سے قومیت کی تفریقوں کو مٹایا جائے اور سب کو بھائی بھائی بنایا جائے۔ مگر مختلف قوموں میں مختلف نبیوں کے آنے سے قومی امتیازات ایک حد تک مضبوط ہوتے چلے گئے۔ کیونکہ ہر قوم ہدایت کے لیئے اپنے ہی نبی کو دیکھتی تھی اور اسکو دُوسری قوم کے نبی کی تعلیم سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور چونکہ تعلقات بین الاقوام بھی اس وقت نہ تھے۔ سب قومیں اپنے اپنے ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھیں۔ اس لیئے ان حالات کا اقتضاء بھی یہی تھا۔ کہ ہر قوم کے اندر جدا جدا نبی مبعوث ہو۔ مگر یہ علیحدگی جو ملکوں اور قومیتوں کی حدبندی سے پیدا ہوئی ہمیشہ کے لیئے رہنے والی نہ تھی۔ اس لیئے یہ ضروری ہُوا کہ جب وہ وقت آجائے کہ تعلقات بین الاقوام کی راہیں کھل جائیں تو قومی رسُولوں کی بجائے ایک ہی رسول ساری دُنیا کی طرف مبعوث ہو یہی وجہ ہے کہ ایک ہی رسول دُنیا میں ہُوا جس نے علی الاعلان بار بار کہا کہ میں کل عالمین کی طرف آیا ہوں۔ اور جس کے متعلق ارشاد ہُوا کہ ہمنے تم کو کافۃ للناس بھیجا ہے جس نے قومیتوں کی ساری تفریقوں کو مٹایا اور نسل انسانی کو وہ حکم خداوندی سُنایا جو ان کو بھائی بھائی بنانے والا تھا۔ یایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ اے لوگو۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایکدُوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے متقی ہے۔ تو چونکہ اس رسُول نے سب قوموں کو دین واحد پر جمع کرنا تھا اس لیئے سب قوموں سے یہ عہد لیا گیا کہ تم نے اس رسول * پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنی ہوگی۔ اور یہ عہد ہر ایک قوم سے بذریعہ اُن کے نبی کے لیا گیا

یہی وہ مضمون ہے جس کو آیت مذکورۃ الصدر میں بیان فرمایا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو ایک حدیث میں آیا ہے انا اوّل النبیین خلقاً وآخرھم بعثاً۔ کیونکہ اگر آپ اوّل النبیین خلقاً نہ ہوتے تو آپ کے متعلق ہر نبی سے وعدہ کس طرح لیا جاتا۔ اور بعثت میں آخری اس لیئے ہوئے۔ کہ تا کل نبیوں سے آپ کے متعلق عہد لیا جائے اور آپ بھی کل کی تصدیق کریں +

اس رسول کی سب سے بڑی علامت جو یہاں بتائی وہ یہ ہے کہ وہ مصدق لما معکم ہے یعنی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو پہلی قوموں کے پاس ہے۔ یہ ایک امتیازی نشان ہے جو رسول عربی فداہ امی وابی میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی ایک رسول ہے جس نے اپنے سے پہلے دنیا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار ہے۔ ابتدائے قرآن میں ہی فرمایا یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا اس سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور پھر فرمایا قل اٰمنا باللّٰہ وما انزل علینا وما انزل علیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیّون من ربھم لانفرّق بین احد منھم کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور قبیلوں پر اور اُس پر جو دیا گیا موسےٰ اور عیسےٰ اور سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم اُن میں سے کسی میں بھی تفرقہ نہیں کرتے۔ پس یہاں درحقیقت بتا دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق فرماتے ہیں اور اس طرح پر قرآن نے خود ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ رسول مصدق لما معکم سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی دُنیا میں ایک رسول ہوا ہے جس نے دنیا کے کل نبیوں کی تصدیق کی ہے۔ اور اُن پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے +

حضرت مسیحؑ کے حواریوں نے بھی اس بات کی شہادت دی ہے۔ کہ وہ نبی مثل موسےٰ جسکی پیش گوئی استثناء ۱۸-۱۵ و ۱۸ میں ہے۔ اس کے متعلق دُنیا کے کل نبیوں نے شہادت دی ہے چنانچہ اعمال رسل باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے ”ضرور ہے کہ آسمان اسے لیئے رہے۔ اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ کیونکہ موسےٰ نے باپ دادوں سے کہا۔ کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیئے ایک نبی میری مانند اُٹھاوے گا۔ جو کچھ وُہ تمہیں کہے اس کی سب سنو“ اس سے صاف معلوم ہے کہ حضرت مسیحؑ کے بعد تک اس پیشگوئی کا انتظار تھا۔ اور دُنیا میں ایک ہی شخص ہوا ہے جس نے یہ دعوےٰ کیا۔ کہ میں وہ نبی ہوں جس کی بابت کل نبیوں نے خبر دی تھی۔ اور جس طرح اس کی خبر سب نبیوں نے دی۔ اسی طرح اس نے سب نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا +

امرت پرواہ — امرت پرواہ

کا ایٹم یا اکسیر اعظم یا تریاق کہو

آبحیات

یہ تمام نام اوصاف آبحیات چونکہ بالخواص روح الکل کی موجودگی کے باعث کل شدید بیماروں میں دنیا دفعتاً استعمال کرنے سے کل انسانی اور حیوانی اور نباتاتی امراض کو دور کرتا ہے اس لئے مندرجہ بالا ناموں سے مشہور ہے۔

میرا آبحیات شیر یا پان خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ سچ حال لکھتا ہوں یہ چند نباتاتی اجزاء سے تیار کی جاتی ہے جو بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ میرا ہرگز یہ دعوی نہیں کہ یہ بوٹیاں خاص میرے ہی باغ میں پیدا ہوتی ہیں جو دوسرے کو معلوم نہیں البتہ یہ بات ضرور کہتا ہوں کہ اس میں زہریلی بات کوئی نہیں میری دس برس کی تحقیق کا یہ نتیجہ ہے۔ **یونانی و ڈاکٹری علم و عمل باقاعدہ حاصل** کر چکنے کے بعد آجتک قریباً نصف صدی سے لاہور جیسے معزز مقام میں مطب کرتا ہوں اور آج تک شہر و بیرونجات میں ہزار ہا مریضوں کا علاج کر چکا ہوں۔ جو شخص باقاعدہ دواسازی سے صرف کوئی کام لیتا ہے تو وہ کہ باقاعدہ علم کیمسٹری اور دواسازی تجربہ سے ہوتی ہے میں کیمسٹری کے اصولوں پر کرتا ہوں جس سے ثالث کیفیت یعنی روح الکل پیدا کیا جاتا ہے جو قلیل المقدار کثیر المنفعت ہوتا ہے جس کو لوگوں میں اسلئے سستا فروخت نہیں کرتا کہ مخلوق پر احسان کرتا ہوں یا رفاہ عام کا دعوی کرکے جیب بھرتا ہوں بلکہ ارزاں لاگت پر آبحیات فروخت کرنے میں خاص ذاتی غرض رکھتا ہوں کہ شفاخانہ کا نام اور زیادہ وسیع حلقہ میں لوگوں کو معلوم ہو جائے اور اس کے ذریعہ فائدہ اٹھانے والے قائل ہو جائیں گے کہ تمام مرکب جو میرے مفید ہونگے جیسے ایمانداری سے میں نے بتلا دیا ہے کہ اس کے اجزاء معلوم بازاروں میں بکتے ہیں کوئی ایسی دوا اس میں شامل نہیں ہے۔

ایسی مفید نہیں جیسا یہ مرکب۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عام لوگ دواسازی و کیمسٹری نہیں جانتے لہذا وہ ثالث کیفیت ان کی دواؤں میں پیدا نہیں ہوتی جو کہ بیجا کام ہے۔ دیکھئے سب جانتے ہیں کہ گندھک پارہ وغیرہ سے شنگرف بنتا ہے ایک سفید دوسرے زرد مگر ترکیب استادی سے تیسرا روح سرخ رنگدار ان میں سے پیدا ہو کر علیحدہ شنگرف بنجاتا ہے جس کے فوائد خاص علیحدہ ہوتے ہیں کیا ہر ایک شخص اسکو بنا سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اسی طرح آبحیات کو بنانا کوئی آسان کام نہیں جو ہر ایک بنا سکے۔ کیونکہ اجزاء کے کام دینے کا علم ہر کسی کو نہیں جاتا اس لئے ان لوگوں کی دوائیں کم مفید ہوتی ہیں اگر یہ راز دواسازی میں ظاہر ہوتا تو ہر پنساری مرکب کیمیا گر بن جاتا کیونکہ انکے پاس دوکانوں میں ہزاروں دوائیں موجود ہوتی ہیں جن سے وہ کچھ نہیں بنا سکتے۔ یہ سوال معقول نہیں کہ ایسا مرکب ہر بیماری میں کیوں فائدہ دیتا ہے ایک شخص ہر ایک ذی علم کا فرض ہے کہ ایسا مجرب حکمی دوا کا رکھنا ہے۔

فوائد مختصر آبحیات

بخار ہر قسم۔ درد پیٹ۔ درد کمر۔ درد شکم۔ چھپاکی۔ اسہال۔ خونی پیچش۔ متلی۔ قے۔ درد دانت۔ منہ کے چھالے۔ خروج مقعد۔ ناسور۔ نکسیر۔ زکام۔ کھانسی۔ ہچکی۔ ہیضہ۔ طاعون۔ کم شکم۔ درد سینہ۔ درد پہلو۔ درد دل۔ درد کان۔ درد سر۔ آنکھ سے جلنا۔ درد گردہ۔ ورم معدہ۔ بیخوابی۔ چوٹ لگنا۔ سل۔ دق۔ داد۔ چنبل۔ سرسام۔ درد نقرس۔ قولنج۔ کمی اشتہا۔ بادگولہ۔ درد دانت۔ پھوڑے پھنسیاں۔ ہر قسم کا درد۔ وغیرہ زہریلا ڈنگ۔ بچھو۔ سانپ وغیرہ۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ (عہ) درجن عہ۔ اور ...

حکیم ڈاکٹر حاجی غلام ... زبدۃ الحکماء شاہی سند یافتہ لاہور موچی دروازہ

بہارِ حسن

پری جمال کہتے ہیں جسکو وہ ہے صورت میری ؛ حسن کی شان بڑھانے کا ذریعہ میں ہوں

معزز حضرات! دہلی کے قدیم خاندانی اطباء کے سینکڑوں برس کے خاص خاص مجربات اور حسن و خوبصورتی پیدا کرنیکا صابن و خوشبودار تیل خاص طور پر طیار کرائے جاتے ہیں (دواخانہ کی فہرست مفت ملتی ہے) +

پری جمال صابون

گورے و خوبصورت ہونے کی بے نظیر ایجاد ہے۔ تازہ تازہ پھولوں اور طبی ادویات سے طیار کیا جاتا ہے۔ جلد کی تمام چھائیاں مہاسے داغ دھبے دور کردیتا ہے۔ جلد کو مخمل کی مانند نرم کردیتا ہے ٭ قیمت فی بکس معہ صابندانی ایک روپیہ ...... (عہ)

روغن پری بہار گیسو دراز

تازہ تازہ پھولوں کی بہار اور مستانہ خوشبو میں لاجواب بالوں کو لمبا اور ریشم کی طرح ملائم کرتا ہے اسکی بھینی بھینی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ فی شیشی [illegible] تولہ قیمت ایک روپیہ (عہ)

حب جواہر مہرہ

قلب معدے و جگر و دل و دماغ کو قوت پہنچاتی ہیں کمزوری کو بہت جلد دور کرتی ہیں۔ فی شیشی ۸ گولیاں قیمت ... (عہ)

دوائی ضیق

ہر قسم کی کھانسی و دمہ کیلئے بے انتہا مفید ہے اور ضعف دماغ کیلئے اکسیر ہے۔ فی شیشی ۱۴ ماشہ قیمت ایک روپیہ ... (عہ)

حب بواسیر

خونی و بادی بواسیر کا مجرب علاج مسوں کو دور کرتی ہیں مجلل ریاح ہیں۔ فی ڈبیہ ۴۰ گولیاں قیمت ایک روپیہ (عہ)

المشتہر

حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ **نورتن دہلی** بازار فراش خانہ

اینٹی ڈرماسیس

بیس سالہ بیمار بچ گیا ، بیس سالہ بیمار بچ گیا

تمام جلدی بیماریوں کیلئے بے بو اور بے ضرر دوائی ہے۔ اسکے بیرونی استعمال سے بھگندر پھوڑا پھنسی پھوڑا۔ داد چنبل سرخ باد کسی تیز دھار والے آلہ کا زخم۔ بدر۔ چنبل۔ گرنبہ ناسور خارش دانتوں سے خون کا بہنا مسوڑوں کا پک جانا۔ دانتوں کو بحورہ لگ جانا وغیرہ وغیرہ غرضکہ کسی قسم کا اور کیسا ہی پرانا زخم کیوں نہ ہو جس سے کل دنیا کے ڈاکٹر مایوس ہو چکے ہوں۔ علاج ہفتوں یا مہینوں نہیں کرنا پڑتا ہے بلکہ کوئی کہ صرف ایک دفعہ لگانے سے ہی زخم بفضلہ فوراً درست ہو جاویگا۔ چنانچہ ترکیب ہمراہ ارسال خدمت ہوگا۔ قیمت فی بکس ایک روپیہ (عہ) محصول ڈاک ۴ آنہ ۔ اس کے متعلق ہمارے پاس متعدد سرٹیفکیٹ ہیں ٭

المشتہر

بی ڈرما اینڈ کو۔ وزیرآباد

پاؤلن باؤلن ہیئر آئیل

جناب من! یوں تو آپ نے بالوں کو لگانے والے ہزاروں خوشبودار تیل دیکھے ہونگے۔ لیکن یہ تیل بھی اپنی بیش قیمت اجزاء اور عجائب و غرائب خواص کے لحاظ سے یگانہ روزگار ہے۔ درد سر۔ نزلہ۔ زکام فوراً دور۔ بال سیاہ کرنے گھنے اور گھونگریالے چمکدار۔ ملائم بنانے میں اکسیر ثابت ہوا ہے۔ دماغی طاقت کو بڑھانا اس کا اصلی کام ہے اس کی مہک اس قدر تیز ہے کہ شیشی کھولتے ہی خوشبو کی بے انداز لپٹیں آنی شروع ہو جاتی ہیں جس نے ایک دفعہ اس پاؤلن باؤلن تیل کا استعمال کیا وہ ہمیشہ کے لیئے اس کا شیدائی بن گیا۔

صرف آزمائش شرط ہے

قیمت صرف (۱۲) محصول ڈاک (۴ آنہ)

ہر ایک شیشی کے ساتھ انعامی چیزیں ملفوف ہیں +

المشتہر

مسٹر سلیمان اینڈ برادرز ۱۱۵ بیگانڈٹ سٹریٹ رنگون

دوائیوں کے تیل

مذکورہ ذیل دوائیوں کے تیل۔ دوائیوں کے تیل کے دو تین پاؤ آدھ سیر دوا کے فائدہ دیتے ہیں۔ اور کوٹنے پیسنے کی تکلیف سے بچتے ہیں۔ اور آسانی سے پی سکتے ہیں +

(۱) **روغن صندل**۔ سوزاک کے لیئے نہایت درجہ مفید ہے قیمت فی شیشی ۱/۲ر محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔ (۵ر)

(۲) **اجوائن کا تیل** متے اور بدہضمی کی ایک ہی دوا ہے قیمت فی شیشی ۱/۴ر محصول (۵ر)

(۳) **روغن سونٹھ**۔ یہ بھوک کو بڑھاتا ہے۔ اور ریاح کو خارج کرتا ہے قیمت فی شیشی (۵ر) محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ (۵ر)

(۴) **روغن سونف**۔ پیٹ پھولنا اور دست وغیرہ کے لئے مفید ثابت ہوا ہے فی شیشی ۴ر محصول (۵ر)

(۵) **روغن دال چینی**۔ یہ دال چینی کے ملائم چھلکوں سے بنا ہے۔ اور یہ چیز نہایت خوشبودار ہے قیمت فی شیشی (۶ر) محصول ایک سے چار تک (۵ر)

(۶) **روغن لونگ**۔ متلی اور ریاح کو دفعہ کرتی ہے۔ اور درد شکم و بدہضمی کو مفید ہے قیمت فی شیشی ۴ر محصول ۵ر

(۷) **روغن لیمو**۔ ہرے گویا ابھی درخت سے ٹوٹے ہوئے لیمو کا خوشبو دیتا ہے قیمت فی شیشی ۸ر محصول ۵ر

(۸) **روغن پیپرمنٹ**۔ پیٹ کے درد بدہضمی اور ریاح کے خارج کرنے میں یہ ایک بہت مشہور دوا ہے قیمت فی شیشی ۱ر محصول ۵ر

(۹) **روغن الائچی**۔ متلی اور ہچکی کو بند کرتی ہے۔ اور بھوک بڑھاتی ہے قیمت فی شیشی (۶ر) محصول ۵ر

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایک سلائی سے اندھی آنکھ روشن کرنیوالا جواہر نور العین

میرا پیٹنٹ شدہ الاخاص سرمہ بھی جواہر شفاء العین کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور بھی اور دیگر اقسام کے سرمہ کی تو اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں کیونکہ اسکی ایک سلائی سے دو منٹ میں دھند دور نظر دھندلی شبکوری یعنی رتوندی زخم اور آنکھ بہنے سے رونے بیٹھے گئے ۔ ناخنہ پڑبال پھولا موتیا بند ضعف بصارت اور ہر قسم کا اندھا پن معدوم ہوکر نظر بحال ہوجاتی ہے اور آنکھ والے کو عینک لگانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قیمت فی ماشہ درجہ خاص ۵ درجہ دوم [illegible]

یہ شمار سندات میں سے چند کی مختصر نقل انکے اصلی الفاظ میں

موتیا بند اور پھولہ کے دس عدد اچھے کر دیئے دستخط مرزا [illegible] صاحب گورنر غزنی	**۲۵ برس کی بینائی آنکھ کھل گئی** اور پڑبال دور ہو گئے دستخط [illegible] صاحب رسالدار [illegible]
دس برس کے گرے بیٹھے روئے دور کر دیئے دستخط شہزادہ ضیاء الدین صاحب [illegible]	**برس کے جو گرے دور ہوئے تھے** جواہر نور العین سے اچھے کر دیئے دستخط عبدالرحیم سوداگر [illegible] لاہور
دس سال کی شبکوری دور کردی دستخط خواجہ حمید الدین صاحب از [illegible] دہلی	**۱۵ سالہ چیچک کا پھولا دور کر دیا** دستخط سردار [illegible] صاحب از کابل

شربت جانفزا

[illegible] کھانا ہضم کرتا اور [illegible] تقویت پیدا کرکے تمام جسم کی پرورش کرتا [illegible] اور [illegible] دور کرتا ہے ہر شخص [illegible] حافظہ [illegible] ہر حالت [illegible] اسکی [illegible] ہے [illegible] منٹ میں [illegible] بات چیت کرنے لگتا ہے [illegible] کے [illegible] استعمال کو جلد تر و تازہ ہو جاتے ہیں کھانسی اور سل کا مرض [illegible] ہو [illegible] ایک [illegible] قیمت [illegible] منشی عالم حسن [illegible] کی [illegible] قیمت [illegible]

پتہ:- ڈاکٹر نبی بخش سابق میڈیکل افسر افغانستان دہلی دروازہ لاہور

اشاعت اسلام بک ڈپو

مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل المعروف بہ۔ قرآن ایک عالم اور عالمگیر الہام ہے اردو قیمت (۱۰/)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے۔ اردو قیمت دس آنے۔۔۔ (۱۰/)

(۳) اسوہ حسنہ۔ الموسوم بہ ”زندہ اور کامل نبی“ اردو (۴/)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس انگریزی قیمت۔ (۲/)

مسلم پریئر انگریزی قیمت چار آنے۔۔۔۔ (۴/)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدرآباد دکن اردو قیمت دو آنے۔۔۔۔۔۔ (۲/)

بنگال کی دعوتی انگریزی و اردو فی کتاب قیمت (۱/)

مسلم مشنری کے ولائتی لیکچروں کا سلسلہ اردو قیمت (۱/) اور تین عدد انگریزی لیکچر قیمت تین آنے (۳/)

مسلم اٹی ٹیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی۔ کرشن اوتار اردو۔ فی کتاب قیمت ایک آنہ۔۔۔۔ (۱/)

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا کی جلدیں ۱۹۱۳-۱۹۱۴ء انگریزی قیمت فی جلد سنہ ۱۹۱۳ء (۶/) جلد سنہ ۱۹۱۴ء (۸/ع)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کا سابقہ پرچے جولائی سنہ ۱۹۱۴ء لغایت دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء قیمت (عہ)

دیگر مختلف تصنیفات

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل مرتبہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ اردو قیمت فی جلد۔۔ (۶/)

نکات القران حصہ دوم ایضاً ،، ۔۔۔۔ (۶/)

،، حصہ سوم ،، ،، ۔۔۔۔ (۸/)

عصمت انبیاء (۸/) غلامی ،، ،، ۔۔۔۔ (۴/)

ولیسٹرن اوکینگ ٹو اسلام مصنفہ جناب لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ انگریزی قیمت فی جلد بارہ آنے (۱۲/)

التوحید یعنی لا الہ الا اللہ کی مختصر تفسیر ہے مصنفہ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ ایم۔ ایس قیمت (۱/)

Miracle of Mohd

مصنفہ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لاء انگریزی قیمت فی جلد بارہ آنے۔۔۔ (۱۲/)

اسلام اینڈ سوشیلزم ایضاً۔۔۔ (۱/۴)

پیغام صلح انگریزی و اردو فی رسالہ قیمت (۱/)

النبوۃ فی الاسلام۔ نبوۃ کی اصل غرض و غایت مصنفہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے قیمت۔۔۔ (عہ)

حدوث مادہ ،، ،، ،، ۔۔۔۔ (۴/)

مکمل جلد اوّل سنہ ۱۹۱۵ء رسالہ اشاعت اسلام قیمت فی جلد تین روپے۔۔۔۔ (۳/)

منیجر خواجہ عبد الغنی۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقہ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

بہت سی کتب کی قیمتوں میں تخفیف کردی ہے۔ احباب استفادہ اٹھاویں۔

اجرت اشتہارات

رسالہ اشاعت اسلام کا دائرہ اشاعت ایک سال کے قلیل عرصہ کے اندر محض اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے دو ہزار سے متجاوز کر گیا ہے۔ ہمیں امید واثق ہے کہ بڑی عجلت سے اسکا دائرہ اشاعت دس ہزار ہو جائیگا۔ مشتہرین کیلیئے اپنے اشتہار درج کرانیکا اس سے بڑھ کر نادر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا۔
منیجر

اندازِ صفحہ	ایک بار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
چوتھائی	عہ/	۸؏/	للعہ/	۸؏ہ
نصف	؏	صہ/	لعہ	صہ
پورا	للعہ	؏ے	صہ ؏ے	سے

نوٹ:۔ باقی امورات خط و کتابت سے طے ہو سکتے ہیں +

اپنی نوعیت میں سب سے پہلی کتاب

یعنے

ام الالسنہ

معروف بہ زندہ و کامل الہامی کتاب

اس نادر کتاب میں فاضل مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ عربی زبان نہ صرف کل دنیا جہان کی زبانوں کی ماں ہی ہے۔ بلکہ یہ کہ یہ الہامی زبان بھی ہے۔ دلائل بالکل فلالوجی (علم اللسان) کے اصولوں پر مبنی ہیں۔ یورپین ماہرین علم اللسان کے دلائل پر فاضلانہ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ پھر ایسے ادق مضمون کو نہائیت ہی دلچسپ اور سلیس زبان میں لکھا ہے۔ قیمت صرف دس آنے (۱۰/) جواب تخفیف کردہ ہے۔

اسوہ حسنہ

معروف بہ زندہ و کامل نبی۔

اسمیں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے تو آپکی ذات پاک ہی ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا + قیمت ۸/

پتہ:۔ خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

یہ کتب قریباً اختتام پر ہیں۔ احباب آرڈر ارسال فرمانے میں عجلت فرمائیں۔ دگر مایوسی ہوگی۔

نوٹ:۔ محصولڈاک وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا +